یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا کَسَبْتُمْ

حقوق المال

یعنی مال خرچ کرنے کے طریقے

افادات

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

انتخاب و ترتیب

محمد زید مظاہری ندوی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

ناشر

ادارہ افادات اشرفیہ دوبگا، ہردوئی روڈ لکھنؤ

تفصیلات

نام کتاب : حقوق المال

افادات: حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ

انتخاب وترتیب : محمد زید مظاہری ندوی

صفحات : ۷۲

قیمت :

اشاعت چہارم : ۱۴۳۷ھ

تعداد : گیارہ سو

ملنے کے پتے

☆ دیوبند وسہارنپور کے تمام کتب خانے

☆ افادات اشرفیہ دوبگا ہردوئی روڈ لکھنؤ

☆ مکتبہ ندویہ، ندوۃ العلماء لکھنؤ

☆ مکتبہ رحمانیہ ہتورا، باندا، پن کوڈ: ۲۱۰۰۱

☆ مکتبہ الفرقان نظیرآباد لکھنؤ

☆ مکتبہ اشرفیہ ۳۶، محمد علی روڈ بمبئی ۹

فہرست حقوق المال

باب (۳)

رائے عالی

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

فاضل عزیز مولوی محمد زید مظاہری ندوی مدرس جامعہ عربیہ ہتورا (بارک اللہ فی حیاتہ وفی افادتہ) جو حضرت حکیم الامت کے افادات وارشادات اور تحقیقات ونظریات کو مختلف عنوانوں اور موضوعات کے ماتحت اس طرح جمع کررہے ہیں کہ حضرت کے علوم و افادات کا ایک دائرۃ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) تیار ہوتا جارہا ہے۔

ان خصوصیات اور افادیت کی بناپر عزیز گرامی قدر مولوی محمد زید مظاہری ندوی نہ صرف تھانوی اور دیوبندی حلقہ کی طرف سے بلکہ تمام سلیم الطبع اور صحیح الفکر حق شناسوں اور قدردانوں کی طرف سے بھی شکریہ اور دعا کے مستحق ہیں۔

اور اسی کے ساتھ اور اس سے کچھ زیادہ ہی داعی الی اللہ اور عالم ربانی مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی سرپرست جامعہ ہتورا باندہ (یوپی) اس سے زیادہ شکریہ اور دعا کے مستحق ہیں جن کی سرپرستی اور نگرانی، ہمت افزائی اور قدردانی کے سایہ میں ایسے مفید اور قابل قدر کام اوران کے زیر اہتمام دانش گاہ اور تربیت گاہ میں انجام پارہے ہیں۔ اطال اللہ بقاءہ وعم نفعہ جزاہ اللہ خیرا۔

ابوالحسن علی ندوی

دائرہ شاہ علم اللہ حسنی

رائے بریلی

۷/ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ

تقریظ عالی

حضرت اقدس مولانا قاری سید صدیق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ باندوی، ناظم جامعہ عربیہ ہتورا باندہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً!

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا الشاہ محمد اشرف علی صاحب نوراللہ مرقدہ کے تجدیدی کارناموں کو انہیں کے الفاظ میں جدید اور دلچسپ انداز سے پیش کرنے کا سلسلہ عزیزم مولوی محمد زید سلمہ نائب مفتی نے شروع کیا ہے، چنانچہ اس سلسلہ کی کافی کتابیں اکابر تحسین اور اہل قلم کی تائید کے ساتھ منصہ شہود پر آچکی ہیں۔

یہ کتاب بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہے، اللہ پاک قبول فرمائے، اور سب کو استفادہ کی توفیق مرحمت فرمائے۔

احقر صدیق احمد

خادم جامعہ عربیہ ہتورا باندہ

موضوع وار جدید انتخاب اکابر کی نظر میں

مغز جوہر: ماشاء اللہ بہت خوب کام کیا ہے، حضرت کی تعلیمات شریعت کا مغز وجوہر ہیں۔ (مولانا مسیح اللہ خاں جلال آبادیؒ)

اہم اور نافع کام: اہم اور نافع کام کی توفیق منجانب اللہ آپ کو ملی ہے، بارک اللہ وتقبل اللہ طلبہ اور اہل علم کو یہ مضامین سنائے گئے۔ (مولانا ابرار الحق صاحبؒ ہردوئی)

انمول موتی: حکیم الامت کے بیش بہا خزانہ سے انمول موتیوں کو بہترین ترتیب کے ساتھ جمع کیا ہے جس سے ہر طبقہ بآسانی استفادہ کرسکتا ہے۔

(قاری سید صدیق احمد صاحب)

قابل قدر: بہت مفید سلسلہ ہے بہت سلیقہ سے انتخاب کیا ہے، آپ کی محنت قابل قدر ہے۔ (مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ)

نعمت عظمیٰ: حکیم الامت نور اللہ مرقدہ کے علوم کا انتخاب اور اقتباس نہایت احسن طریقہ سے جمع کر کے امت مسلمہ کے لیے نعمت عظمیٰ پیش کیا ہے۔

(مولانا حکیم اختر صاحب کراچیؒ)

علمی ذخیرہ: اس سلسلہ کی جو کتابیں سامنے آرہی ہیں ان میں حضرت تھانوی کے علمی فیوض وبرکات کا انمول ذخیرہ ہے اور اس سلسلہ کی اشاعت سے بڑا فیض پہنچے گا۔ (مولانا قاضی اطہر مبارک پوری)

چشمۂ فیض: بکھرے ہوئے مضامین کو موضوع وار عناوین کے تحت جمع کردیا ہے، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اس چشمۂ فیض سے سیراب ہونے کی توفیق عطا فرمائیں۔

(مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری)

تحقیقی و علمی کارنامہ: واقعہ یہ ہے کہ یہ اس قدر مفید بلکہ نہایت اہم تحقیقی وعلمی کارنامہ ہے جس کے لیے خداوندی رہنمائی کے بغیر آمادگی نہیں ہوسکتی۔

(مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

مال و دولت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ہے، مال کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی اور جنت جیسی لازوال نعمت حاصل کی جاسکتی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر وفاقہ اور قرض سے پناہ مانگی ہے۔

آپ کا فرمان ہے کہ بہت ممکن ہے کہ فقر وفاقہ کفر تک پہنچادے، اور یہ مال و دولت فقر وفاقہ سے حفاظت کا ذریعہ ہے، حضرت حسن بصریؒ کا مقولہ مشہور ہے کہ اگر میرے پاس مال نہ ہوتا تو لوگ مجھے اوڑھنا بچھونا بنالیتے، اپنی اغراض میں مجھے استعمال کرتے۔

الغرض مال دولت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، اور ہر نعمت کے کچھ حقوق وآداب بھی ہوتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ قیامت کے روز کسی شخص کے قدم اپنی جگہ سے نہ ہٹیں گے جب تک اس سے اس سوال کا جواب نہ لے لیا جائے کہ تو نے مال کہاں اور کیسے کمایا، اور کن مواقع میں خرچ کیا، اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مال کمانے اور خرچ کرنے کے طریقے بھی بیان فرمائے ہیں۔ اور ہر زمانہ کے علماء ربانیین، مصلحین امت نے امت کو اس طرف توجہ دلائی ہے کہ دین صرف عبادت کا نام نہیں بلکہ رزق حلال کا اہتمام، صفائی معاملات بھی دین وشریعت کا اہم جزء ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ نے بھی اپنے ملفوظات ومواعظ، تصانیف، تالیفات میں اس کی طرف توجہ دلائی ہے اور کسب

مال کے جائز ناجائز طریقوں اور خرچ کرنے کے حدود بیان فرمائے ہیں، جو مختلف کتابوں اور ملفوظات ومواعظ میں منتشر تھے، احقر نے ان سب کو یکجا کر کے مرتب کر دیا اس طرح اس سلسلہ کے تین مجموعے تیار ہو گئے (۱) مال دولت کی اہمیت اور اس کے حاصل کرنے کے طریقے (۲) حقوق المال یعنی مال خرچ کرنے کے طریقے (۳) دولت غربت اسلام کی نظر میں۔ ایک رسالہ اس سے قبل ''سود ورشوت، قرض کے شرعی احکام'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے، یہ رسالے سب ایک ہی سلسلہ کی کڑی ہیں۔

ملازمین، تاجر پیشہ حضرات گھر گرستی چلانے والوں کے لیے ان شاء اللہ ان سب کا مطالعہ مفید ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کے فائدہ کو عام وتام فرمائے، اور اپنی بارگاہ میں اس حقیر کوشش کو قبول فرمائے، کسی صاحب خیر کو اللہ پاک توفیق دے تو وہ ہندی وغیرہ زبان میں اس کا ترجمہ کر دیں تو اس کا فائدہ مزید عام ہو سکتا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ وعلیہ توکلت والیہ انیب۔

محمد زید غفرلہ

ہتورا، باندہ

جمادی الثانیہ ۱۴۰۶

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العلمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين، أما بعد!

باب(۱)

مال خرچ کرنے کا بیان

مال خرچ کرنے سے متعلق احادیث نبویہ

(۱) حضرت مغیرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مال کو ضائع کرنے کو ناپسند فرمایا ہے۔ (بخاری و مسلم)

فائدہ: مال ضائع کرنے کا مطلب بے موقع خرچ کرنا ہے۔

(۲) حضرت انس وابوامامہ وابن عباس وعلی رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ بیچ کی چال چلنا، یعنی نہ کنجوسی کرے، اور نہ فضول اڑائے، بلکہ سوچ سمجھ کر ہاتھ روک کر کفایت شعاری اور انتظام واعتدال کے ساتھ ضرورت کے موقعوں میں خرچ کرے تو اس طرح خرچ کرنا آدھی کمائی ہے۔ جو شخص خرچ کرنے میں اس طرح بیچ کی چال چلے گا وہ محتاج نہیں ہوگا۔ اور فضول اڑانے میں زیادہ مال بھی نہیں رہتا۔ (مقاصد حسنہ، دیلمی وغیرہ)

فائدہ: اس حدیث میں خرچ کے انتظام کا گر بتلا دیا گیا ہے اور

دیکھا بھی جاتا ہے کہ زیادہ تر پریشانی و بربادی کا سبب یہی ہے کہ خرچ کا انتظام نہیں رکھا جاتا، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو ہاتھ میں ہے وہ ختم ہو جاتا ہے پھر وہ قرض لینا شروع کر دیتے ہیں جس کے برے نتائج بے شمار ہیں، جو کہ دنیا میں بھی دیکھے جاتے ہیں اور آخرت میں بھی ہوں گے۔ (حیوٰۃ المسلمین ص:۱۸۶)

حلال مال کی قدر کرنا چاہیے

حلال مال کی قدر کرنا چاہیے اس کو برباد نہ کرے (کیونکہ) مال پاس رہنے سے نفس کو اطمینان رہتا ہے ورنہ پراگندہ روزی پراگندہ دل۔

چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اس میں کوئی چیز کام نہ آئے گی سوائے دینار و درہم کے۔ (روایت کیا اس کو احمد نے)۔

یعنی جس کے پاس روپیہ ہوگا وہ حرام کمائی سے، حرص لالچ سے حسد سے، دین فروشی سے، سوال ذلت سے، مالداروں کے دروازہ پر جانے اور ان کی خوشامد کرنے سے، ظالموں کے ظلم وستم کرنے سے اپنے دین و علم کو برباد اور ذلیل کرنے سے مال کی بدولت بچا رہے گا۔

اس لیے ہر شخص کو ہاتھ تھام کر خرچ کرنا چاہیے، فضولیات رسومات میں خرچ نہ کرے گو مباح ہی کیوں نہ ہو، اور ناجائز کاموں میں خرچ کرنا تو صریح حرام ہے۔

بلکہ جس قدر آمدنی ہو اس میں سے جتنا ممکن ہو جمع کرتا رہے، تاکہ محتاجی پیری (بڑھاپا) قحط و سختی (گرانی) کے زمانہ میں کام آئے، اس میں کوئی گناہ نہیں، اگر اچھی نیت ہے تو ثواب ہوگا جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے نعم المال الصالح للرجل الصالح: (یعنی پاکیزہ مال صالح مرد کے

لیے کیا ہی خوب ہے)۔(فروع الایمان ص:۸۱)

مال ہماری ملک نہیں اس کے خرچ کرنے کے بھی حدود مقرر ہیں

حدیث شریف میں آتا ہے کہ بندہ کو حق تعالیٰ کھڑا کر کے دریافت فرمائیں گے کہ جوانی کہاں خرچ کی اور مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مال اپنا نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا ہے، کسی نوکر کو آپ کوئی خزانہ سپرد کر دیں تو کیا وہ اس مال کا مالک اور خود مختار ہوگا؟ اسی طرح خدا تعالیٰ نے آپ کو مال دیا ہے جب تک کہ شرعی اجازت نہ ہو آپ کو دینے کا اختیار نہیں، خدا تعالیٰ نے آپ کو مال دیا ہے تو اس کی فہرست بھی دی ہے کہ اس موقع پر خرچ کرنے کی اجازت ہے اس موقع پر نہیں۔ یہ نہیں کہ جس کو چاہا دے دیا، اور جہاں چاہا خرچ کر دیا، حد سے زیادہ (اور بے موقع) خرچ کرنے کا کچھ اختیار نہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ آدمی اپنا خرچ شریعت کے مطابق مقرر کرلے۔

شادی بیاہ میں لوگ آنکھیں بند کر لیتے ہیں، اس سے کچھ بحث نہیں ہوتی کہ اس موقع پر خرچ کرنا چاہئے یا نہیں۔

خوب سمجھ لو کہ خرچ کرنے کے بھی حدود مقرر ہیں، جیسے نماز روزہ کے حدود ہیں، اگر کوئی بجائے چار رکعت کے چھ رکعت نماز پڑھنے لگے یا کوئی روزہ عشاء تک رکھنے لگے تو گنہگار ہوگا اسی طرح مال کو بھی حد سے زیادہ خرچ کرنے میں بھی گناہ ہوگا۔

خدا تعالیٰ نے ہر چیز کے حدود مقرر کئے ہیں، پس ایک تو حدود کو معلوم کرنا چاہئے (کہ کون کون سے موقعوں میں مال خرچ کرنا چاہئے)۔

دوسرے جو کام کرو سوچ کر کرو، ان دونوں باتوں پر عمل کرو گے تو حقوق ضائع نہ ہوں گے۔(احکام المال، التبلیغ ۱۵/۳۷)

الغرض یہ سمجھ لو کہ یہ مال تمہارا نہیں ہے خدا تعالیٰ کا ہے، پس ان کا مال جب خرچ کرو، تو ان کی اجازت سے خرچ کرو، جب تک کہ ان کی اجازت نہ ہو ہرگز نہ دو، نہ کسی ساتھی کو نہ کسی اور کو، اگر فضول خرچی سے تباہی آگئی تو کیا اس وقت تمہارا کوئی ساتھ دے دے گا، جو آج حضور حضور کرتے ہیں وہی اس وقت گالیاں دیں گے اس لیے مال کو بہت حفاظت سے رکھنا چاہیے، ہاں جو واقعی خرچ کرنے کا موقع ہو وہاں خرچ بھی کرنا چاہیے۔

(ارشادات حکیم الامت ص: ۴۸۷)

ہم مال کے مالک نہیں بلکہ امین ہیں

بعض لوگ آمدنی میں تو احتیاط کرتے ہیں (یعنی سود رشوت وغیرہ سے بچتے ہیں) مگر خرچ میں اس کی رعایت نہیں کرتے، بس یوں سمجھتے ہیں کہ ہمارا مال ہے جس طرح چاہیں خرچ کریں۔

انسان یہ سمجھتا ہے کہ ہمارا مال ہے جہاں ہم چاہیں اڑائیں مگر یہ اس کی غلطی ہے، انسان کے پاس جو کچھ ہے وہ حق تعالیٰ کا ہے جس میں وہ صرف امین ہے کہ جہاں خدا تعالیٰ کی اجازت ہو وہیں خرچ کرنے کا اختیار ہے، اور جہاں ممانعت ہے وہاں اس کو ہرگز خرچ کرنے کا اختیار نہیں۔

(یہ سوچو کہ) جب تم خود ہی اپنے نہیں بلکہ خدا کے ہو تو پھر تمہارا مال کدھر سے تمہارا ہوا، تم تو محض امین ہو اور مال تمارے ہاتھ میں امانت ہے، اور امانت میں خیانت کرنا جرم ہے، لہٰذا مال میں تم کو حق تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کسی تصرف کی اجازت نہیں۔

(الغرض) یہ مال تمہارا کہاں ہے سب خدا ہی کی ملک ہے، تم تو محض خزانچی ہو تمہارے ہاتھ میں تحویل ہے تم ایسے ہو جیسے غلام ہوتا ہے، مالک

صرف اللہ ہے، چنانچہ ارشاد ہے وَلِلّٰہِ خَزَائِنُ السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضِ (پ:۲۸)۔ کہ اللہ ہی کے لیے آسمان اور زمین کے خزانے ہیں۔ ہمیں یہ اجازت نہیں کہ اس کو جیسے چاہیں خرچ کریں، خدا کا مال ہے، اس کے متعلق قیامت میں سوال ہوگا کہ تم نے کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔

بعض جگہ خرچ کرنا گناہ بھی ہوتا ہے جیسے ناچ گانے میں پس جب بچوں کو آتشبازی کے لیے پیسے دینا بھی شرعاً حرام ہے تو تم دینے والے کون ہو، ہرگز مت دو، اور ضد کرنے پر مارو۔

تفاخر (یعنی دکھلاوے) کی رسموں میں خرچ کرنا بھی گناہ ہے۔بہت سے لوگ ناچ گانے میں مال خرچ کرنے کو برا سمجھتے ہیں لیکن فخر کی رسموں میں خرچ کرنے سے ان کو بھی دریغ نہیں جن سے مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ نام ہو اور افسوس یہ ہے کہ بعض دیندار مقتدا بھی ان رسموں میں روپیہ خرچ کرنے کو برا نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں کہ اس میں حرج کیا ہے، کھلانا اور پلانا اور برادری کو جمع کر کے دعوت دینا کیوں ناجائز ہوگیا؟ میں کہتا ہوں جناب ذرا اس کی غرض تو دیکھیے، لوگوں کی نیت پر تو نظر کیجیے کہ اس دعوت اور دھوم دھام میں نیت کیا ہوتی ہے؟ صرف تفاخر اور ریا (دکھلاوے) ہی کی ہوتی ہے کہ ہمارا نام ہو، لوگ کہیں کہ بڑے حوصلہ کا آدمی ہے تو بتلائیے کہ (اس نیت سے) یہ افعال کہاں جائز رہے، حدیث شریف میں ہے نَھٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ عَلیہِ وسلّم عَنْ طَعَامِ الْمُتَبَارِئَیْنَ اَنْ یُّوْکَلَ (یعنی رسول اللہ علیہ وسلم نے ایسے دو شخصوں کا کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے جو باہم فخر کے لیے کھانا کھلاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ممانعت کی علت فخر اور ریا کے سوا کچھ نہیں)۔

(وعظ اسباب الغفلۃ، ملحقہ دین ودنیا، ص:۴۸۲)

مال خرچ کرنے میں بے احتیاطیاں

مال خرچ کرنے میں بے احتیاطی دو قسم کی ہوتی ہے ایک تو یہ کہ کھلم کھلا معصیت (گناہ کے کاموں) میں مال خرچ کیا جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ کھلی معصیت میں تو مال خرچ نہیں کیا مگر خرچ حد سے زیادہ کیا شہوتوں میں منہمک ہو گئے تنعم وتفاخر، عیش پرستی اور فخر میں اڑانا شروع کر دیا۔

خوب سمجھ لیجئے کہ تنعم وتفاخر کا انجام ذلت ہے کیونکہ مال کی کوئی حد تو ہے نہیں کہ کتنا ہی خرچ کرو اور وہ کم نہ ہو، انجام یہ ہوتا ہے کہ مکان تک بکنے کی نوبت آجاتی ہے۔

میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ مسجد میں پانی بھرتے تھے اور لوگ ان کو نواب کہہ کر پکارتے تھے میں نے کہا کہ یہ نواب کیسے ہیں معلوم ہوا کہ واقعی نواب تھے اپنے آپ کو تباہ کر کے اس حالت پر آگئے، میں نے کہا شاباش یہ انجام ہے مسلمانوں کا، سیکڑوں مالدار فضول خرچیوں کی بدولت تباہ ہو رہے ہیں۔ جائدادیں ہندوؤں کے قبضہ میں جا رہی ہیں۔ (التبلیغ ۱۵/۷ ۹، احکام المال)

بخل کے مقابلہ میں فضول خرچی زیادہ بری اور تباہ کن ہے

بخل اور اسراف دو چیزیں ہیں بخل سے پریشانی نہیں ہوتی، اور فضول خرچی سے پریشانی ہوتی ہے، جس کا انجام پریشانی ہو، وہ اس سے بری ہے جس سے پریشانی نہ ہو۔

آثار کے اعتبار سے اسراف زیادہ برا ہے بخل کا نتیجہ صرف دوسرے کو نفع نہ پہنچانا ہے اور اسراف کا نتیجہ دوسروں کو نقصان پہنچانا ہے کیونکہ جب اپنے پاس نہیں تو دوسروں کا مال ان کو دھوکہ دے کر قرض وغیرہ لے کر اڑاتا ہے، پھر ادا بھی نہیں کرتا، ہم نے مسرفین (فضول خرچی کرنے والوں) کو مرتد ہوتے

ہوئے دیکھا ہے مگر بخیلوں کو نہیں۔

ایسے واقعات کثرت سے موجود ہیں کہ اسراف کا نتیجہ کفر ہو گیا، اور وجہ اس کی یہ ہوتی ہے کہ اسراف کرنے والوں کو اپنی ضرورتوں میں مجبوری ہوتی ہے اور مال ہوتا نہیں، اس لیے دین فروشی بھی کر لیتا ہے۔ اور بخیل کو یہ مجبوری نہیں ہوتی اس کے ہاتھ میں ہر وقت پیسہ موجود ہے، گو وہ خرچ نہ کرے، اس کے علاوہ ایک بات اور بھی ہے کہ بخیل آدمی زیادہ حریص نہیں ہوتا اس پر ممکن ہے کہ کوئی صاحب شبہ کریں کہ حریص (لالچی) تو ہوتا ہے اور میں بھی مانتا ہوں کہ ہوتا ہے مگر ایسا حریص نہیں ہوتا کہ اپنے دین کو بھی کر دے اور اسراف کرنے والے سے اندیشہ ہے کہ کہیں دین نہ کھو بیٹھے۔ (الافاضات الیومیہ ۲/۱۵۳)

آج کل کے فضول اخراجات

آج کل اکثر لوگ آمد و خرچ میں شریعت کے حدود کا لحاظ نہیں رکھتے، خرچ کے اندر تو کچھ باک ہی نہیں جہاں چاہتے ہیں تنعم میں فضول سامان میں ناموری کے کاموں میں بے دھڑک خرچ کرتے ہیں سمجھتے ہیں کہ جس طرح چاہیں خرچ کریں، اور سب سے زیادہ گندہ پیسوں کا مصرف جو اس شہر میں (بلکہ اب تو ہر جگہ) کثرت سے ہے۔ کوکین کھانا ہے (ایک نشہ والی چیز ہے جیسے افیون بھنگ اور اسی کے قریب قریب آج کل بیڑی سگریٹ کا نشہ گٹکا، پڑیا، شیام بہار وغیرہ کے خرچے ہیں) اس کی وجہ سے سیکڑوں گھر برباد ہو گئے، ظاہر میں تو ذرا سی چیز ہے لیکن اس کے مفاسد بہت ہیں، یہ سب چیزیں تو شیطان کا شیرہ ہیں۔

شیطان سے کسی نے کہا تھا کہ تو بڑا ملعون ہے گناہ کراتا ہے، اس نے کہا کہ میں کیا گناہ کراتا ہوں میں تو ایک ذرا سی بات کرتا ہوں لوگ اسی کو بڑھا دیتے ہیں، دیکھو میں تم کو تماشہ دکھلاتا ہوں ایک دکان پر پہنچے ایک انگلی شیرہ

کی بھر کر دیوار پر لگادی، اس پر مکھی آ کر بیٹھی، ایک چھپکلی اس پر جھپٹی اس پر دوکان دار کی بلی دوڑی، اس پر ایک خریدار کا جوفوجی آدمی تھا کتا لپکا، دوکاندار نے اس کتے کے ایک لکڑی ماری فوجی کو غصہ آیا اس نے دوکان دار کے ایک تلوار ماری بازار والوں نے انتقام میں فوجی کو قتل کر ڈالا، فوج میں خبر ہوئی تو فوج والوں نے بازار کو گھیر کر قتل عام شروع کرادیا، بادشاہ وقت نے دوسری فوج سے ان ظالموں کو سزا میں قتل شروع کر دیا، ایک گھنٹہ میں شہر بھر میں خون کی ندی نالیاں بہہ گئیں، شیطان نے کہا کہ دیکھا میں نے کیا کیا تھا، اور لوگوں نے اس کو کہاں تک پہنچادیا۔

اسی طرح یہ کوکین (پان، سگریٹ، گٹکے، پڑیا وغیرہ) شیطان کا شیرہ ہیں جب تک اپنے پاس روپیہ رہتا ہے اس کو خرید کر کھاتے ہیں جب وہ ختم ہو جاتا ہے تو گھر کا سامان بیچ کر کام چلاتے ہیں، جب وہ بھی ختم ہو گیا تو بیوی کا زیور، پھر جائداد اور گھر سب کچھ اڑا دیتے ہیں، جب اپنا سرمایہ ختم ہو گیا تو پھر پڑوسیوں کا صفایا شروع کر دیا، کسی کے برتن اٹھا لیے کسی کے یہاں نقب کر کے چوری کر لی، آخر جیل خانہ میں چلے جاتے ہیں، وہاں مفت کی روٹیاں کھاتے ہیں، گھر رہنے میں تو کچھ فکر بھی تھی وہاں کچھ فکر ہی نہیں، بعض ایسے بے حیا ہوتے ہیں کہ جیل خانہ سے جب چھوٹتے ہیں تو کہہ کر آتے ہیں کہ ہمارا چولہا باقی رکھنا، ہم پھر آئیں گے۔

غرض یہ کوکین (نشہ والی چیزیں، لاٹری، شراب، پڑیا اور اس کی قسم کی چیزیں) بڑی بری بلا ہے اور ہزاروں اس میں مبتلا ہیں، اور تعجب ہے کہ سب بلائیں اور مصیبتیں اٹھاتے ہیں لیکن چھوڑتے نہیں، لوگ کہتے ہیں کہ چھوٹتی نہیں۔

صاحبو! جب ہمت قوی کر لی جائے تو سب چھوٹ جاتی ہے۔

(الاستغفار ملحقہ راہ نجات ص:۴۸)

پان وغیرہ کا خرچ

واقعی یہ پان (بیڑی، سگریٹ، پڑیا مسالے وغیرہ) کا خرچ بالکل ہی فضول ہے، کھانے کا تو وقت بھی مقرر ہے، دن رات میں دو وقت کھانا کھایا جاتا ہے مگر پان کا کوئی وقت ہی نہیں، میرے خیال میں بعض دفعہ (پڑیا مسالے چائے) پان کا خرچ کھانے سے بھی بڑھ جاتا ہوگا اس لیے (ان چیزوں) کو بالکل ہی ختم کر دینا چاہیے، الحمدللہ میں نہ پان کھاتا ہوں نہ چائے پیتا ہوں، نہ ناشتہ کا عادی ہوں تاکہ میزبان کو تکلف نہ ہونے پائے، اس میں میزبان کا اچھا خاصہ خرچ ہو جاتا ہے اور احسان کسی پر نہیں ہوتا کیونکہ ہر شخص یہ سمجھتا ہے کہ میں نے ایک ٹکڑا ہی کھایا تھا مگر سو آدمیوں کو ایک ایک ٹکڑا دینے میں میزبان کے تو کافی روپے خرچ ہو جاتے ہیں۔

اگر کسی مہمان کے واسطے پان آئیں تو اس کو یہ جائز نہیں کہ اپنے پاس بیٹھنے والوں کو پان کھلائے، اور فرمائش کر کے ان کے لیے بھی پان منگائے، اس سے میزبان کو بعض وقت ناگواری ہوتی ہے۔ (التبلیغ ۲۰/۲۴۳)

افیون پان وغیرہ فضول خرچی چھوڑنے کا طریقہ

حضرت مولانا گنگوہیؒ کی خدمت میں ایک گاؤں کا رہنے والا مرید ہونے کے لیے آیا، حضرت نے بیعت فرما کر معاصی سے توبہ کے کلمات کہلا دیئے، جب توبہ کر لی تو اس نے کہا کہ حضرت افیون سے تو توبہ کرائی نہیں، حضرت نے فرمایا کہ مجھے کیا خبر کہ تم افیون بھی کھاتے ہو، اچھا یہ بتلاؤ کہ کتنی کھاتے ہو؟ جتنی کھاتے ہو میرے ہاتھ پر رکھ دو، مگر اس نے اپنی جیب سے افیون کی ڈبیہ نکال کر دور پھینک دی، اور کہا کہ حضرت جب توبہ ہی کر لی، تو اب

کیا کھائیں گے، گھر واپس ہوا تو دست شروع ہو گئے، اس نے مولانا سے کہلا بھیجا کہ حضرت دعا کیجئے کہ اچھا ہو جاؤں، چند روز کے بعد تندرست ہو کر پھر آیا، اور دو روپئے (اس وقت کے ورنہ آج کل کے سو روپئے) حضرت کی خدمت میں پیش کئے، حضرت نے انکار کے بعد اس کے اصرار کی وجہ سے قبول فرمائے، اس نے کہا کہ حضرت یہ تو آپ نے پوچھا ہی نہیں کہ یہ روپئے کیسے ہیں، حضرت نے فرمایا بتاؤ کیسے ہیں، اس نے کہا کہ افیون کے ہیں، حضرت نے پوچھا کہ افیون کے کیسے؟ اس نے کہا کہ میں دو روپیہ کی ہر مہینہ میں افیون کھاتا تھا جب میں نے افیون چھوڑ دی تو میرا نفس بہت خوش ہوا کہ اب روپئے بچیں گے، میں نے کہا کہ میں تیرے لیے نہیں بچاؤں گا میں یہ دو روپئے اپنے پیر کو دوں گا، بہر حال یہ سب نفس کے حیلے حوالے ہیں کہ (عادت کی وجہ سے یہ چیزیں چھوٹتی نہیں) جب آدمی دل سے ہمت کرتا ہے اور کسی کام کو واقعی چھوڑنے کا پختہ ارادہ کرتا ہے تو حق تعالیٰ ضرور امداد کرتے ہیں بس کوکین وغیرہ بھی ہمت کر کے چھوڑ دو، اسی طرح اور بیہودہ اخراجات (مثلاً پڑیا سگریٹ بیڑی وغیرہ) سب کو چھوڑ دو، پختہ ہمت کر لو، سب چھوٹ جائیں گے۔

(الاستغفار ملحقہ راہ نجات ص:۴۸)

بخل واسراف یعنی کنجوسی اور فضول خرچی کی تعریف

بخل (کنجوسی) کے معنی ہیں قلب کی تنگی، سو تنگی کی تقسیم ہو سکتی ہے مثلاً کسی نے روپیہ جمع کیا اور خرچ اس لیے نہیں کیا کہ اس سے مقصود بیوی بچوں کی راحت ہے، اس کے پسندیدہ ہونے کا دعویٰ غلط نہیں ہو سکتا۔

عرض کیا گیا کہ اسراف (فضول خرچی) کی حد کیا ہے؟ فرمایا جو شرعی اجازت کے خلاف ہو وہ اسراف ہے خواہ بظاہر نیک ہی کام ہو، مثلاً جس پر

بیوی بچوں کا نفقہ واجب ہو اس کو سارا مال خیرات کر دینا اسراف ہے اور کھانے پینے میں وسعت کرنا بشرطیکہ کسی حد شرعی سے تجاوز لازم نہ آئے یہ اسراف میں داخل نہیں۔ (حسن العزیز ۱/۶۶)

فضول خرچی و اسراف کی حقیقت

اسراف کے معنی یہ ہیں کہ منہی عنہ (کا ارتکاب ہو یعنی جس بات سے منع کیا گیا ہو اس میں خرچ ہو) اور اس میں بھی تھوڑی سی تفصیل ہے۔ بعض دفعہ ایک ہی شئ ایک شخص کے اعتبار سے اسراف ہو سکتی ہے اور دوسرے شخص کے اعتبار سے اسراف نہیں ہوتی، مثلاً ایک شخص کو پچاس روپئے میٹر کا کپڑا پہننے کی وسعت ہے اور ایک شخص کو دس روپئے میٹر کپڑے کی بھی گنجائش نہیں، اب یہ شخص اگر پچاس روپئے میٹر کا کپڑا خریدے گا تو ضرور قرض دار ہو جائے گا، اب دونوں نے پچاس روپئے میٹر کا کپڑا خریدا تو جس کو گنجائش ہے اس کے لیے تو کچھ حرج نہیں، نہ اس پر اسراف کا الزام، اور جس نے قرض لیا وہ بے ضرورت گردن پھنسانے سے گنہگار ہوگا، اور اسراف کرنے والا شمار ہوگا، کیونکہ بلا ضرورت مقروض ہونا گناہ ہے، دیکھئے پچاس روپئے میٹر کا کپڑا خریدنا ایک ہی عمل ہے مگر ایک کے لیے گناہ نہیں دوسرے کے لیے گناہ ہے، بات یہ ہے کہ حقیقت میں تو وہ فعل مباح (یعنی جائز) ہے مگر ایک عارض کی وجہ سے گناہ کا ذریعہ بن گیا۔ اور وہ عارض کیا تھا؟ بلا ضرورت قرض لینا۔ اگر یہ اس قدر قیمتی لباس نہ پہنتا تو بے ضرورت قرض کے گناہ میں مبتلا نہ ہوتا، اس لیے اس کے لیے اتنا اچھا اور قیمتی کپڑا پہننا بھی گناہ ہے کیونکہ گناہ کا ذریعہ بھی گناہ ہوتا ہے۔

(الصلاح والاصلاح، حقوق و فرائض ص: ۵۲۹)

مسکینوں محتاجوں کو نہ دینا بھی اسراف میں داخل ہے

حق تعالیٰ فرماتے ہیں وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۔ اسراف نہ کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ اسراف کو پسند نہیں فرماتے۔

اس آیت میں فقراء کے حق ادا کرنے کا حکم ہے اور فقراء کا حق کھا جانے کی ممانعت ہے جس کا حاصل یہ کہ فقراء کا حق ادا کرو، اور سارا کا سارا خود ہی نہ کھا جاؤ کہ مسکینوں کا بھی حق کھا لو، کیونکہ یہ اسراف ہے اور حق تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے اور یہ اسراف اس لیے ہے کہ اس میں حد شرعی سے تجاوز ہے اور اسراف کی حقیقت بھی حد سے تجاوز ہے، پس مطلب یہ ہوا کہ مسکینوں کا حق ادا کرو، اور اتنا نہ کھاؤ کہ مسکینوں کا حق بھی نہ بچے اور اسراف جیسے خرچ کرنے میں ہوتا ہے کھانے میں بھی ہوتا ہے۔

(وعظ العشر حقوق وفرائض ص:۵۹۸)

فضول خرچی کرنے والوں کا انجام

ہمارے یہاں ایک نواب صاحب تھے کسی ملک کے نواب نہیں تھے بلکہ فضول خرچی کرنے کی وجہ سے نواب مشہور تھے فضول خرچی کی یہ حالت تھی کہ نوچندی کا میلہ ہے اور ساتھیوں نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا کہ ہمارے پاس کچھ ہوتا تو ہم بھی جاتے، بس یہ سن کر سو سو روپے سب کو دے دیئے، اور یہ کیفیت تھی کہ جلیبیاں منگائی ہیں، ساتھیوں میں سے کسی نے کہہ دیا کہ تیل کی ہیں۔ بس بیلوں کو ڈلوادیں اور جلیبیاں بیل کھا رہے ہیں اور سیکڑوں قسم کی فضولیات ان کے یہاں رہتی تھیں۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ مفلس قلاش (خالی ہاتھ) ہو گئے۔

ایک حالت تو وہ تھی دوسری حالت فاقہ کی ہوئی اس میں یہ کیفیت تھی کہ

میرے پاس تمہارے پاس پہنچتے ہیں اور ہاتھ پھیلاتے ہیں کہ آٹھ آنہ پیسہ دے دیجئے بہت ضرورت ہے، جو لوگ پردیس سے آتے ان کے پاس پہنچ جاتے، میرے والد صاحب کے پاس بھی اکثر آتے، میں اس زمانے میں پڑھا کرتا تھا، ان کی یہ حالت میں دیکھا کرتا تھا مگر لوگ کہاں تک دیں، انہوں نے تو پیشہ ہی بنالیا تھا، آخر انکار کر دیتے جس وقت ان کے پاس جائداد وغیرہ تھی اس وقت اگر کوئی نصیحت کرتا کہ اس طرح فضول خرچیاں مت کرو، جائداد کو بیچ بیچ کر مت اڑا ڈالو، دیکھو تمہارے باپ نے کس طرح مشقت سے جائداد خریدی تھی، تو آپ فرماتے ہمارے باپ بے وقوف تھے کہ چاندی دے کر مٹی لیتے تھے، یعنی روپیہ دے کر زمین خریدتے تھے، ہم مٹی دے رہے ہیں اور چاندی خرید رہے ہیں، یعنی زمین بیچ رہے ہیں اور روپیہ لے رہے ہیں، مگر انہوں نے یہ نہ سمجھا کہ مٹی چاندی کی بھی ماں ہے جس کے پاس زمین ہے اس کے پاس سب کچھ ہے۔ (التبلیغ ۹۹/۱۵)

فضول خرچی سے احتیاط میں بڑی برکت ہوتی ہے

اگر آدمی فضول خرچی سے بچے تو بڑی برکت ہوتی ہے، فضول خرچی بڑی نقصان دہ چیز ہے، اس کی بدولت مسلمانوں کی جڑ کھوکھلی ہوگئی ہے۔

آج کل فضول خرچی کا نام ”بلند حوصلگی“ رکھا ہے اس بلند حوصلگی کے نتائج یہ ہوتے ہیں کہ اپنے مال سے گذر کر دوسروں کے مال پر نظر ہوتی ہے، قرض لیتے پھرتے ہیں، پھر نوبت یہاں تک آتی ہے کہ عادت ہوجانے کی وجہ سے اگر ویسے قرض نہیں ملتا، سودی قرض لینا پڑتا ہے، اس کا جو انجام ہے ہر شخص پر ظاہر ہے کہ دین اور دنیا دونوں کو برباد کرنے والی چیز ہے۔

(الافاضات الیومیہ ۲۴۸/۶)

فضول خرچیوں اور اسراف کی بدولت مسلمان تباہ و برباد ہو گئے، مگر اس پر بھی آنکھیں نہیں کھلتیں ایک شخص کے حال کو دیکھ کر دوسرا عبرت حاصل کر سکتا ہے، مگر نہیں کرتے، شادی بیاہ کے موقع پر لوگ آنکھیں بند کر لیتے ہیں، اس سے کچھ بحث نہیں ہوتی کہ اس موقع پر خرچ کرنا چاہئے یا نہیں۔

ہم کو اسلامی سادگی پر رہنا چاہئے اگر کسی مہمان کی خاطر کچھ تکلف کیا جائے تو اس میں بھی اسلامی اعتدال کا لحاظ ضروری ہے مبالغہ نہ کیا جائے تو اسی میں ہماری عزت ہے۔ (احکام المال، مظاہر الاموال)

میں کہا کرتا ہوں کہ تھوڑے سے بخل کے بغیر انتظام نہیں ہو سکتا، اور وہ بخل بھی صورۃً ہے حقیقۃً نہیں۔ اور اگر حقیقی بھی ہو تو وہ بھی برا ہے، مگر اسراف ''فضول خرچی'' اس سے زیادہ برا ہے، جس چیز سے پریشانی ہو وہ اس سے بری ہے جس سے پریشانی نہ ہو۔ (الافاضات الیومیہ ۲/۱۵۳)

مال خرچ کرنے کا طریقہ

مسلمانوں نے اگر کچھ فکر بھی کی تو آمدنی کی فکر کرتے ہیں مگر خرچ کا کوئی انتظام نہیں کرتے، میرٹھ میں ایک رئیس نے بڑے کام کی بات کہی مجھ کو تو بڑی پسند آئی۔ فرماتے تھے کہ لوگ آمدنی بڑھانے کی فکر کرتے ہیں جو غیر اختیاری ہے، اور خرچ گھٹانے کا انتظام نہیں کرتے جو اختیاری ہے۔

اس زمانہ میں سخت ضرورت ہے کہ مسلمان فکر سے کام لیں، اور خرچ سوچ سمجھ کر کیا کریں، جس کا نظام میں نے یہ تجویز کیا ہے کہ خرچ کرنے سے قبل کم از کم تین مرتبہ سوچ لیا کریں کہ جو ہم خرچ کرنا چاہتے ہیں کیا یہ خرچ ایسا ضروری ہے کہ اس کے بغیر کوئی نقصان ہوگا؟ جہاں یہ تحقیق ہو جائے اس کو ضروری سمجھیں پھر یہ سوچیں کہ کیا اتنا ہی خرچ ہونا چاہئے یا اس سے کم میں بھی کام چل سکتا ہے،

ایسا کرنے سے چند روز تو پریشانی ہوگی، کیونکہ طبیعتیں اس کی عادی نہیں، اس کے بعد سہولت کے ساتھ اس پر عمل ہونے لگے گا، خلاصہ یہ کہ فکر و انتظام بڑی ضروری چیزیں ہیں اور بے فکری اور بد انتظامی بڑی نقصان دہ چیز ہے۔

(الافاضات ۴۳/۶، ارشادات حکیم الامت ص:۴۹۰)

گھریلو ساز و سامان میں افراط و اسراف

آج کل گھروں میں اور خصوصاً بڑے گھروں میں نہایت اسراف ہوتا ہے برتن ایسے خریدے جاتے ہیں جو قیمت میں تو بہت زیادہ اور مضبوط خاک بھی نہیں، ذرا ٹھیس لگ جائے چار ٹکرے ہو جائیں، اور پھر ضرورت سے بھی زائد، بعض گھروں میں اس کثرت سے شیشہ و چینی وغیرہ کے برتن ہوتے ہیں کہ عمر بھی ان کے استعمال کی نوبت نہیں آتی۔ (التبلیغ ۱۵/۱۱۳، احکام المال)

امراء کی عادت

امراء میں یہ آفت ہے کہ جو چیز پسند آئی خرید لی، اس سے بحث نہیں کہ اس کی حاجت ہے یا نہیں؟ ہر چیز کے خریدار ہو جاتے ہیں جب کسی دکان پر جاتے ہیں تو کچھ نہ کچھ ضرور خریدتے ہیں، تو ان کے نزدیک یہ عار کی بات ہے کہ کوئی یوں کہے کہ دوکان پر آئے اور لیا کچھ بھی نہیں، گھر میں بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ بیکار رکھی رہتی ہیں، عمر بھر کسی کام میں نہیں آتیں۔

(حقوق الزوجین ص:۱۸۴)

عورتوں کی عادت

(عورتوں کی عادت ہوتی ہے) کہ کوئی چیز خواہ کارآمد (ضرورت) کی ہو یا نکمی ہو پسند آ جانا چاہئے بے سوچے سمجھے اس کو خرید لیتی ہیں، اور کہتی ہیں کہ

گھر میں رکھی ہوئی چیز کام آ ہی جاتی ہے، اور یہ شعبہ کفران (ناشکری) کا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیَاطِیْنِ وَکَانَ الشَّیْطَانُ لِرَبِّہٖ کَفُوْرًا.

بے شک بے موقع اڑانے والے شیطانوں کے بھائی بند ہیں، اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی ناشکری کے ساتھ شوہر کی بھی ناشکری ہے)۔

اور جب مال بھی دوسرے کا (یعنی شوہر کا) ہو تو کفرانِ حق کے ساتھ کفران شوہر بھی ہے۔

مؤمن کا قلب تو زیادہ بکھیڑے سے گھبرانا چاہئے گو اس میں اسراف بھی نہ ہو، اور بے ضرورت کوئی شئ خریدنا تو صریح اسراف میں داخل ہے۔

حدیث میں ہے: نَھٰی رسُولُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ علیہِ وسلَّم عَنْ اِضَاعۃ المال۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مال ضائع کرنے سے منع فرمایا۔

(حقوق الزوجین ص:۱۸۴)

عورتوں سے شکایت

مجھ کو عورتوں سے شکایت ہے جو وقتاً فوقتاً مردوں سے زیور کپڑے اور مکان وغیرہ کی فرمائشیں کرتی رہتی ہیں اور اگر مرد کسی وقت کسی فرمائش کو غیر ضروری بتلاتے ہیں، برتنوں اور مکان کی ضرورتوں کے متعلق اختلاف ہونے لگتا ہے اور مرد یوں کہتے ہیں کہ ان چیزوں کی ضرورت نہیں، اور مستورات کے نزدیک ان کی ضرورت ہو تو ایسے موقع پر عورتیں کہہ دیا کرتی ہیں کہ تم کو ان چیزوں کی کیا خبر؟ تم کو گھر میں تھوڑی رہنا ہے اس کو تو ہم تم سے زیادہ جانتے

ہیں، بعض دفعہ تو عورتوں کا یہ کہنا صحیح ہوتا ہے کیونکہ واقعی مردوں کو ان ضرورتوں کا علم پوری طرح نہیں ہوتا۔

اور بعض دفعہ اس اختلاف کا سبب یہ ہوتا ہے کہ مردوں میں قناعت کا مادہ عورتوں سے زیادہ ہے مرد تھوڑے سامان میں بھی گذر کر لیتا ہے اور عورتوں میں قناعت کا مادہ (عموماً) ہے ہی نہیں، ان کی طبیعت میں بکھیڑا بہت ہے، ان سے تھوڑے سامان میں گذر ہوتا ہی نہیں جب تک سارا گھر سامان سے بھرا بھرا نظر نہ آئے۔

مردوں کے نزدیک تو ضرورت کا درجہ یہ ہے کہ جس کے بغیر تکلیف ہو، سو اتنا سامان تو اکثر متوسط الحال (درمیانی درجہ) کے لوگوں میں بحمد اللہ موجود ہوتا ہی ہے اس لیے مردوں کو اس سے زیادہ کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ ہاں اگر خدا وسعت دے تو اس کا بھی مضائقہ نہیں کہ اتنا سامان جمع کر لیا جائے جس سے زیادہ راحت نصیب ہو یہ درجہ مردوں کے نزدیک کمال کا مرتبہ ہے۔ مگر عورتوں کے نزدیک ضرورت کا درجہ تو کوئی چیز ہی نہیں۔ مرد جس کو ضرورت کا درجہ سمجھتے ہیں وہ عورتوں کے نزدیک قلت اور تنگی کا درجہ ہے، ان کے نزدیک ضرورت کا درجہ وہ ہے جو حقیقت میں ہوس (وحرص) کا درجہ ہے، اور اس کا منشاء (وسبب) یہ ہے کہ عورتوں میں ناشکری کا مادہ زیادہ ہے، اگر خدا تعالیٰ ان کو ضرورت کے موافق سامان عطا فرما دیں تو یہ اس کو غنیمت نہیں سمجھتیں نہ اس پر خدا کا شکر کرتی ہیں، بلکہ ناشکری کرتی رہتی ہیں کہ ہائے ہمارے پاس کیا ہے کچھ بھی نہیں ہے، حدیث میں بھی ان کی اس صفت کا ذکر آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ناشکری کا مادہ عورتوں میں زیادہ ہے۔

(حقوق الزوجین، وعظ الکمال فی الدین للنساء ص: ۷۶)

اسراف کی تعریف اور اس کے حدود

اسراف اس خرچ کو کہتے ہیں جس میں کوئی مصلحت نہ ہو۔

عرض کیا گیا کہ اسراف کی حد کیا ہے؟ فرمایا جو اجازت شرعی کے خلاف خرچ ہو وہ اسراف ہے خواہ بظاہر نیک ہی کام ہو، مثلاً جس پر بیوی بچوں کا نفقہ واجب ہو اس کو سارا مال خیرات کر دینا (یا دعوتوں میں پیسہ اڑانا) اسراف ہے۔ اور کھانے پینے میں وسعت کرنا بشرطیکہ کسی حد شرعی سے تجاوز لازم نہ آئے اسراف میں داخل نہیں۔ (حسن العزیز ۱/۶۶)

سامان خریدنے میں اسراف

اسراف کے متعلق یہ کہتا ہوں کہ جب کوئی چیز خریدنا چاہو تو سوچ لو کہ ضرورت ہے یا نہیں اگر فوراً ضرورت ذہن میں آ جائے تو خرید لو، اگر فوراً ضرورت ذہن میں نہ آئے تو نہ خریدو۔ کیونکہ جس ضرورت کو آدھے گھنٹہ تک سوچ سوچ کر پیدا کیا جائے وہ ضرورت نہیں اور اگر دل میں بہت ہی تقاضا (اس شئے کے خریدنے کا) ہو اور معتد بہ (قابل اعتبار) ضرورت سمجھ میں نہ آئے تو ایسی صورت میں چیز خرید لو اور اطمینان سے بیٹھ کر سوچتے رہنا اگر اسراف نہ ہونا محقق ہو جائے تو رکھ لو، ورنہ خیرات کر دو، ضرورت کی دو قسمیں ہیں، ایک تحصیل منفعت (یعنی آرام دہ اور نفع بخش) دوسری دفع مضرت (جس سے تکلیف دور ہو)۔

(ارضاء الحق ص:۱۲۳، ملحقہ تسلیم ورضاء)

گھر کا نظام چلانے کے لیے ضروری دستور العمل اور فضول خرچی واسراف سے بچنے کی آسان تدبیر

امراء کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے جس سے اسراف سے نجات ہو اور انتظام درست ہو، سب سے پہلے اپنے اسباب (سامان) کا انتخاب کریں کہ کون سا ضروری ہے اور کون سا فضول ہے (کیونکہ) گھر میں بہت سی چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ بیکار رکھی رہتی ہیں، عمر بھر کسی کام میں نہیں آتیں، لہٰذا سب سے پہلے گھر کا انتخاب کرو، جتنی چیزیں کام میں آتی ہوں رہنے دو، اور جتنی کام میں نہ آئیں خارج کردو، یا بیچ دو، یا مسکین کو دے دو، نفلی صدقہ دینے کی ہمت نہ ہو تو زکوٰۃ میں دے دو۔

اور فضول خرچی نہ ہونے کی میں ایک اور ترکیب بتلاتا ہوں وہ یہ کہ گھر کا معائنہ کیا کرو، گھر میں بہت سی ایسی چیزیں دیکھو گے جو سڑ رہی ہیں، کسی کو دیمک لگ رہی ہے پس ایسی چیزوں کو اپنی ملک سے الگ کرو، تاکہ گھر میں رونق ہو، ایک دفعہ ایسا کرلوگے تو آئندہ ایسی چیزیں کبھی نہ خریدوگے۔

ایک بات یہ ہے کہ روزمرہ کی معاشرت میں یہ مقرر کرلو کہ جو کام کرو سوچ کر کرو، بے تأمل (یعنی بغیر غور فکر) کے مت کر ڈالو۔

اور ایک بات یہ کہ کسی کے کہنے سے کوئی کام مت کرو، بس اپنی رائے پر عمل کرو۔ (التبلیغ ۱۵/۱۱۳)

سال بھر کے خرچ کا انتظام رکھنا چاہئے

الحمدللہ سال بھر کا خرچ ہمیشہ میرے پاس جمع رہتا ہے اس سے اطمینان رہتا ہے۔ حدیث شریف میں بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات

کو سال بھر کا خرچ دے دیا کرتے تھے۔ (مسلم شریف جلد ۲)

امام غزالیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ سال بھر کا خرچ ذخیرہ کرنا توکل کے خلاف نہیں۔ (حسن العزیز ۱/۳۲۰)

اکٹھا چیز خرید لینا مصلحت کے خلاف ہے

فرمایا میرے اصولوں میں سے ہے کہ اکٹھی چیز مت خرید و چاہے گراں (مہنگی) ہو جائے جس وقت ضرورت ہو لے لو، کیونکہ زیادہ موجود ہونے پر خوب صرف (زیادہ خرچ) ہوتی ہے۔ (حسن العزیز ۲/۱۹۲)

حتی الامکان دور سے چیزیں نہ منگائے اس میں بہت دقتیں ہیں۔

(حسن العزیز ۲/۱۹۲)

اہم ہدایت

جنس (یعنی غلہ آٹا دال چاول) ناپ تول کر پکاؤ، ہندوستانی عورتوں کی طرح اندھا دھن مت پکاؤ کہ آٹھ دن کا غلہ چار ہی دن میں ختم ہو جائے لیکن بچے ہوئے کو مت ناپو تولو، اس میں بے برکتی ہوتی ہے۔ (تعلیم الدین ص: ۴۴)

بغیر ضرورت کے بازار کی پکی ہوئی چیزیں خرید کر نہ کھانا بہتر ہے

بازار کی روٹی (اور دوسری کھانے والی چیزیں) منظر عام پر رکھی جاتی ہیں اور ہر قسم کے لوگ اس کو دیکھتے ہیں ان میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کی حالت یہ ہوتی ہے کہ روٹی (اور کھانے والی چیز) کو دیکھ دیکھ کر ان کا دل للچاتا ہے اور پاس میں کچھ نہیں ہوتا، اس لیے پریشان ہوتے ہیں، اور بعض

لوگ قحط زدہ ہوتے ہیں، ان کا دل روٹی کو دیکھ کر لوٹ پوٹ ہوتا ہے اور خالی ہاتھ ہونے سے (یعنی پاس میں پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے) کھا نہیں سکتے، بس دل ہی دل میں گھٹ کر رہ جاتے ہیں تو یہ بازار کی روٹی مسلمانوں کے دل پریشان ہونے کا سبب ہے، اور اس سے مسلمانوں کا دل دکھا ہے، وہی روٹی جس نے مسلمانوں کا دل دکھایا ہے اس کو تم کھاتے ہو؟ ایسی حالت میں علم دین کا نور اور برکت تمہیں کیسے حاصل ہوگی۔ (اس لیے بغیر ضرورت کے بلا وجہ محض شوق میں بازاری چیزوں کے کھانے سے بچنا چاہئے گو مکروہ اور ناجائز نہیں ہے)۔

یہ ہے اہل خصوصیت (یعنی بڑے درجہ کے لوگوں) کا تقویٰ، قوم کے اصل ہمدرد یہ حضرات ہیں۔ (التبلیغ احکام المال ۱۵/۸۴)

مسلمانوں کی تباہی و بربادی کا بڑا سبب

میں سچ کہتا ہوں کہ مسلمان دوسری قوم کے ہاتھ کبھی تباہ نہیں ہوتے جب تباہ ہوتے ہیں اپنے ہاتھ سے ہوتے ہیں۔ اسلام ایک قلعہ ہے لوہے کی دیوار ہے، اس میں مسلمانوں کو بسایا ہے، اس دیوار کو کوئی توڑ نہیں سکتا، اب اس کا کیا علاج کہ کوئی خود ہی دشمن کے لیے پھاٹک کھول دے، اگر مسلمان طریقہ سے رہیں تو کسی سے مغلوب ہو ہی نہیں سکتے، یہ تو حزب اللہ (یعنی اللہ کا گروہ) ہیں جن کے بارے میں ارشاد ہے:

فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ ۔ بے شک اللہ کی جماعت غالب ہونے والی ہے یہ تو غالب ہی رہیں گے، مگر خود ہی اپنا ناس کرلیں تو اور بات ہے۔

مسلمانوں پر جب تباہی آئی ہے اپنے ہاتھوں سے آئی ہے کسی دوسرے کے ہاتھوں نہیں آئی، چنانچہ مالداروں کی عموماً یہ حالت ہے کہ گانجہ اور عیاشی

میں اپنی جائدادوں کو ختم کردیتے ہیں اور پھر فقیر ہوجاتے ہیں۔ (التبلیغ ۹۸/۱۵)

خرچ زیادہ ہو اور آمدنی کم ہو تو کیا کرنا چاہیے؟

(۱) فرمایا تھوڑے سے بخل کے بغیر انتظام ہو ہی نہیں سکتا اور اس میں مجھ کو کوئی کچھ بھی کہے مگر حقیقت یہی ہے جو میں عرض کر رہا ہوں، بخل ہر حال میں برا نہیں، بخل (کنجوسی) کے معنی ہیں قلب کی تنگی، سو اس میں تقسیم ہو سکتی ہے اچھی اور بری، مثلاً کسی نے روپیہ جمع کرلیا اور خرچ اس لیے نہیں کیا کہ اس سے مقصود بیوی بچوں کی آسائش و راحت ہے سو اس کے محمود (پسندیدہ) ہونے کا دعویٰ غلط نہیں ہوسکتا۔

(رسالہ المبلغ ماہ شعبان ۱۳۶۰ھ)

(۲) بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ اگر سود اور رشوت نہ لیں تو خرچ کہاں سے چلے، میں کہتا ہوں کہ اتنا خرچ بڑھانے کی کیا ضرورت ہے آپ نے اپنی ضرورتوں کو بڑھالیا پھر کہتے ہو بلا رشوت کے گذر کیسے ہو، ایسے خرچ کرنے کی کیا ضرورت ہے، جن کے لیے سود رشوت لینے کی ضرورت پڑے۔ (الافاضات الیومیہ ۴۳/۶، التبلیغ احکام المال ص:۱۱۲)

(۳) ایک دوست نے مجھ کو لکھا کہ تیس روپئے میری تنخواہ ہے اور مہمان بکثرت آتے ہیں تنخواہ میں خرچ پورا نہیں ہوتا میں بہت پریشان ہوں۔ میں نے لکھا کہ عرف و رواج کو تو طاق میں رکھو جو تمہارا کھانا ہے وہ سب کے سامنے رکھ دیا کرو، اور کہہ دیا کرو کہ بس یہی کھانا ہے سب مل کر کھالو، انہوں نے ایسا ہی کیا بس سب نے آنا چھوڑ دیا اور میں نے لکھا کہ اہل اللہ کا مذہب رکھو اہل اللہ بالکل آزاد ہوتے ہیں رسم و رواج کے بالکل پابند نہیں ہوتے۔

آدمی ارادہ کرے تو سب کچھ ہو جاتا ہے انہوں نے اس پر عمل کیا، اس کے بعد لکھا کہ خدا آپ کو جزائے خیر دے آپ نے بڑی اچھی تدبیر بتلائی، میرا پیچھا چھوٹ گیا۔ (التبلیغ احکام المال ص:۱۱۲)

احسان وسلوک اور مہمان نوازی کا بہترین طریقہ

اگر احسان کرنا ہو تو اس کی یہ صورت نہیں کہ دستر خوان بڑا وسیع ہو، آج بریانی پک رہی ہے کل پلاؤ اور قورمہ تیار ہو رہے ہیں، ذرا سے کھانے میں ایک بڑی رقم لگ گئی، اس سے تو چار غریبوں کا بھلا ہوتا تو اچھا تھا، یہ کیا بے جا حرکت کہ قورمہ بریانی پکائے جا رہے ہیں۔

اپنے عزیزوں کے ساتھ احسان کرنا ہو تو بس روپیہ نقد دے دیا یہ نہیں کہ عمدہ عمدہ جوڑے دو۔ (ارشادات حکیم الامت ص:۴۹۷)

ہم کو اسلامی سادگی پر رہنا چاہئے، اگر کسی مہمان کی خاطر سے کچھ تکلف بھی کیا جائے تو اس میں بھی اعتدال کا لحاظ ضروری ہے مبالغہ نہ کیا جائے اسی میں ہماری عزت ہے۔ (مظاہر الاموال ص:۴۸۶)

مہمانوں کی آمد ورفت زیادہ اور گنجائش کم ہو تو کیا کرنا چاہئے

ایک ڈپٹی صاحب تھے تین سو روپیہ ان کی تنخواہ تھی مگر وہ ان کو کافی نہ ہوتی تھی ان کے یہاں یہ کیفیت تھی کہ کوئی عزیز (رشتہ دار) دو مہینے سے پڑا ہے، پھر تنخواہ کس طرح کفایت کرتی، مجھے اس کی اطلاع ہوئی، میں نے ان سے کہا کہ تم نے یہ کیا بکھیڑا کر رکھا ہے، ان سب کو ترک کرو، اگر ایسا ہی رشتہ داروں کے ساتھ احسان کرنا ہے تو سب کی تنخواہ مقرر کر دو۔

ان کے بعض عزیز چولہے میں شامل تھے (یعنی ان کا خرچ بھی ان کے

ذمہ تھا) میں نے کہا میاں بیوی کے علاوہ سب کے چولہے الگ کرو، اور میں نے کہہ دیا کہ دیکھو میرا نام مت ظاہر کرنا کہ یہ اس کی رائے ہے، مگر اس پر رشتہ داروں نے ان کا بہت پیچھا کیا آخر مجبور ہو کر انہوں نے میرا نام لے دیا کہ یہ میں نے ان کی رائے سے کیا، تب کہیں وہ لوگ چپ ہوئے۔

خلاصہ یہ کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ سلوک کرنا چاہیے، تو نقد دے دے کھانے وغیرہ کا قصہ نہ پھیلائے اس میں بڑی خرابیاں پیش آتی ہیں۔

(التبلیغ احکام المال ص:۱۱۱)

اہل اللہ کی بے تکلفانہ معاشرت کے چند واقعات

ایک مرتبہ کا قصہ ہے کہ مولانا مملوک علی صاحب دہلی سے آرہے تھے، جب کاندھلہ پہنچے تو مولانا مظفر حسین صاحب سے ملنے کے لیے سواری ٹھہرائی اور سواری وہیں چھوڑ کر مولانا سے ملنے گئے، مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ گھر کے مالدار تھے مگر آپ کی سادگی دیکھئے کہ آپ نے پوچھا کھانا کھا چکے ہو یا کھاؤ گے؟ مولانا مملوک علی صاحب نے کہا کہ کھائیں گے، انہوں نے فرمایا کہ تازہ تیار کراؤں یا جو رکھا ہوا ہو وہی لے آؤں؟ مولانا مملوک علی صاحب نے فرمایا کہ جو موجود ہو وہی لے آئیں، بس آپ ایک مٹی کی رکابی میں کھچڑی کی کھرچن لے آئے اور کہا رکھا ہوا، تو یہ ہے۔ وہ بھی ایسے ہی تھے، بس انہوں نے اسی کو کھالیا اور پانی پی کر رخصت ہو گئے، یہ حالت تھی ان حضرات کی کہ جو ہوا وہ سامنے رکھ دیا۔

ایک دفعہ مولانا مظفر حسین صاحبؒ گنگوہ تشریف لے گئے، مولانا گنگوہیؒ کے مہمان ہوئے صبح جب رخصت ہونے لگے، مولانا گنگوہیؒ نے کھانے کے لیے عرض کیا، مولانا مظفر حسین صاحب رامپور جانے والے تھے، فرمایا کہ میری منزل کھوٹی ہو گی (یعنی سفر میں دیر ہو گی) کیونکہ کھانا تیار ہونے

میں دیر لگے گی، ہاں اگر رات کا رکھا ہوا ہو تو لادو، مولانا نے ماش کی دال اور باسی روٹی لادی، آپ نے رکابی کی دال روٹی پر الٹ کر پلّے میں باندھ لی اور رخصت ہو گئے، حالانکہ آپ رئیس (مالدار) تھے جب رامپور پہنچے تو حکیم ضیاء الدین صاحب سے کہا کہ مولوی رشید احمد بڑے اچھے آدمی ہیں، حکیم صاحب نے کہا واقعی بڑے بزرگ ہیں، آپ فرمانے لگے کہ میں تو کہہ رہا ہوں کہ بڑے اچھے آدمی ہیں، آپ کہتے ہیں کہ بڑے بزرگ ہیں، میں ان کے بزرگ ہونے کی تعریف نہیں کر رہا، میں تو یہ کہہ رہا ہوں کہ وہ بڑے اچھے آدمی ہیں، اگر خود نہیں سمجھتے تو پوچھ ہی لو، انہوں نے کہا اچھا حضرت فرمایئے، آپ نے کہا کہ دیکھو کیسے اچھے آدمی ہیں، انہوں نے مجھے کھانے کے لیے کہا پھر میرے کہنے سے جو کھانا رکھا ہوا تھا بے تکلف لادیا، میں اس واسطے کہہ رہا ہوں کہ بڑے اچھے آدمی ہیں۔

افسوس ہے کہ آج ان افعال کو ذلت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ صاحبو! اگر وقت پر باسی روٹی مل جائے وہ پلاؤ، زردہ اور قورمہ سے اچھی ہے، اکثر ہمارے قصبات کے مالداروں میں بھی سادگی ہے۔

بعض جگہ تو اس قدر تکلف ہوتا ہے کہ صبح کو چائے پلائی اس میں اس قدر تکلف کیا کہ بیس روپئے (اس زمانہ میں) لگ گئے، پھر کھانے میں اتنا بکھیڑا کیا کہ عصر کے وقت کھانا ملا، بھلا ان باتوں سے کیا نفع۔ خوب سمجھ لیجئے کہ دین کے چھوڑنے سے دنیا کی بھی تکلیف ہوتی ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ خدا دے تو بُرا کھاؤ، بُرا پہنو نہیں اچھا کھاؤ اچھا پہنو، مگر اپنی حد کے اندر رہو۔

(التبلیغ احکام المال ۱۵/۱۲۳-۱۲۴)

باب (۲)

اپنی زندگی میں مال تقسیم کرنے کا بیان

اپنی زندگی میں سارا مال اولاد کو تقسیم کردینا حماقت ہے

جائداد کے سلسلہ میں لوگ بڑی خرابیاں کرتے ہیں اول تو تمام جائداد لڑکوں کے نام کردیتے ہیں اور لڑکیوں کو محروم کردیتے ہیں اس کا سخت وبال ہوتا ہے۔

پھر مزید یہ کہ زندگی ہی میں اولاد کے نام داخل خارج (یعنی رجسٹری) کرادیتے ہیں، اس کا نتیجہ وہ دنیا ہی میں دیکھ لیتے ہیں کہ بعض دفعہ اولاد جائداد کی مالک بن کر ماں باپ کو ایک دانہ بھی نہیں دیتی۔

اور مرنے کے بعد ان کو ثواب تو کون پہنچاتا ہے، کوئی بھول کر نام نہیں لیتا، ہاں دو چار دن برادری کو دکھانے کو کچھ کردیتے ہیں سو اس سے والدین کو کچھ نفع نہیں ہوتا کیونکہ نیت ریاء کی (دکھلاوے کی) ہے اور مقصود اپنے اوپر سے طعن والزام کو دفع کرنا ہوتا ہے۔

(اسباب الغفلۃ ملحقہ دین ودنیا ص: ۵۰۸، تعلیم الدین ص: ۳۴)

اپنی اولاد کو کچھ دینے میں برابری کا لحاظ کرنا ضروری ہے

اگر ایک بیٹے کو کوئی چیز دو تو دوسرے کو بھی ویسی ہی دو نا انصافی بری بات ہے۔

مسئلہ: جو چیز ہو اپنی سب اولاد کو برابر دینا چاہئے، لڑکا لڑکی سب کو برابر دے اگر کبھی کسی کو کچھ زیادہ دے دیا تو بھی خیر کچھ حرج نہیں لیکن جسے کم دیا اسے نقصان دینا مقصود نہ ہو نہیں تو کم دینا درست نہیں۔

(بہشتی زیور ص: ۴۶/۵)

ضرورت کی وجہ سے بعض اولاد کو زیادہ دینا جائز ہے

سوال: (۴۹۷): زید کی اولاد میں چند لڑکے اور لڑکیاں ہیں، ان میں سے بڑی عمر کی اولاد میں تعلیم بیاہ شادی وغیرہ میں روپیہ صرف کر چکا ہے، اور صغیر سن اولاد (یعنی چھوٹے لڑکوں) کی نہ تعلیم ہوئی ہے نہ شادی، اب زید اپنے بڑھاپے کی وجہ سے اپنی زندگی میں ورثاء کو شرعی طور پر مال واسباب تقسیم کرنا چاہتا ہے۔

تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ چھوٹی اولاد کی تعلیم اور شادی وغیرہ کا خرچ ان کو بڑی اولاد کی طرح میراث کے حصہ کے علاوہ شرعاً دے سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: چونکہ صورت مسئولہ میں بعض اولاد کو شادی و تعلیم کی غرض سے زیادہ دیتا ہے، اس لیے اس میں کچھ حرج نہیں۔ اس کے علاوہ اور جو کچھ ترکہ ہو سب اولاد مذکر و مونث (یعنی لڑکا لڑکی) کو برابر تقسیم کر دینا چاہئے، لیکن تقسیم صحیح ہونے کے لیے ہر حصہ کا جدا کرنا اور بالغوں کا قبضہ کرانا بھی ضروری ہے۔ (امداد الفتاوی ج: ۴۷)

تمام وارثوں کے لیے اس طرح وصیت کرنے کی ضرورت جس سے کہ بعد میں جھگڑا نہ ہو

اگر مورث (یعنی مالک جو مرنے والا ہے وہ) اپنے ترکہ میں اس طرح وصیت کر جائے کہ فلاں وارث کو فلاں چیز دی جائے اور فلاں وارث کو فلاں

چیز، بشرطیکہ وہ اس کے شرعی حصہ سے کم نہ ہو، تو جائز ہے اور اگر کم ہوتو ناجائز ہے کیونکہ اس میں وارث کے لیے وصیت ہے جو کہ ناجائز ہے۔

اور مذکورہ طریقہ کے مطابق حصوں کو متعین کردینا یہ (بھی ایک طرح کی) تقسیم ہے، اوراس کا اختیار مورث کو دیا گیا (کہ وہ جس طرح چاہے حصے متعین کرے)۔

اس لیے باپ کو مثلاً ایسا کرنا چاہئے، کہ سب وارثوں کے لیے ان کے شرعی حقوق کے موافق الگ الگ ایسے قرعے بنا کر کہ لڑکیوں کے ساتھ لڑکوں کی شرکت نہ ہو، وصیت لکھ دیں کہ اس کے موافق تقسیم ہو۔

(امداد الفتاوی ۴/۳۴۷)

عاق کرنے کا مطلب اور اس کی تشریح

اپنی اولاد یا کسی وارث کو محروم کردینے کا کسی کو حق نہیں

سوال: (۴۵۶) ایک شخص نے اپنے لڑکے کو عاق کردیا اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: عاق دو معنی میں استعمال ہوتا ہے ایک شرعی معنی، دوسرے عرفی معنی، شرعی معنی تو یہ ہیں کہ اولاد والدین کی نافرمانی کرے، سو اس معنیٰ کے اعتبار سے کسی کے عاق کرنے نہ کرنے کا کوئی دخل نہیں، جو شخص بھی والدین کی نافرمانی کرے گا اللہ کے نزدیک عاق (یعنی نافرمان) ہوگا، اور اس کا اثر صرف یہ ہوگا کہ خدا کے نزدیک ایسا شخص گنہگار اور کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوگا، باقی میراث سے محروم ہونا اس پر مرتب نہیں ہوتا، (یعنی میراث ملے گی)۔

دوسرے معنی عرفی (عاق کے) یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنی اولاد کو ناراضگی کی وجہ سے اپنے مال سے بے حق اور وراثت سے محروم کردے، سو یہ امر شرعاً بے اصل ہے۔

اس طرح کہنے سے اس کا حق میراث باطل نہیں ہوسکتا۔ چونکہ وراثت ملک اضطراری اور شرعی حق ہے (جس کو اللہ نے مقرر کیا ہے) مورث اور وارث کے ارادہ کے بغیر اس کا ثبوت ہوتا ہے (اس حق کو اللہ نے مقرر کیا ہے) پس جب اللہ تعالیٰ نے وراثت کا حق مقرر فرمادیا اس کو کون باطل کرسکتا ہے۔ اگر باپ نے عاق کر بھی دیا تو باپ کے مرنے کے بعد بیٹا اس کا وارث ہوگا۔ (امداد الفتاویٰ ص: ۳۶۵)

اولاد کے لیے مال ودولت چھوڑ کر جانا بہتر ہے

ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ اپنی اولاد کے لیے کچھ جمع نہ کرے، اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ اولاد دو حال سے خالی نہیں، یا تو یہ اولاد خدا کی دوست اور فرمانبردار ہوگی یا دشمن نافرمان۔ اگر دوست اور فرمانبردار ہوئی تو خدا تعالیٰ اپنے دوستوں کو ضائع نہیں کیا کرتے، اس صورت میں تم کو ان کی فکر کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور اگر یہ خدا کے دشمن اور نافرمان ہوئے تو خدا کی نافرمانی میں ان کو امداد دینا مناسب نہیں۔

واقعی بات تو خوب فرمائی لیکن میرا یہ مطلب نہیں کہ سب لوگ ایسے ہی بن جائیں یہ ان کی خاص حالت تھی (جو سب کے لیے حجت نہیں) بلکہ حدیث شریف میں تو اس کی ترغیب ہے کہ اپنی عیال (بال بچوں) کو غنی (مالدار) چھوڑنا اس سے اچھا ہے کہ ان کو بالکل خالی ہاتھ چھوڑ جاؤ۔ تو اولاد کے لیے کچھ جمع شدہ مال چھوڑ جانا برا نہیں مگر یہ تو نہ ہو کہ دوسرے کا گلا کاٹ کر ان کا کرتہ سیا جائے کہ رشوت اور سود سے ذخیرہ جمع کیا جائے، غریبوں کی زمین ناحق دبا کر اپنی جائداد کو بڑھایا جائے، اور اگر کسی نے یہ ظلم نہ کیا تو دوسرا ظلم یہ کیا کہ بیٹیوں کو محروم کر کے سب زمین بیٹوں کے نام کر دی، یہ ہیں وہ گناہ جو مال اور اولاد کی وجہ سے ہم کرتے ہیں۔ (اسباب الغفلہ ملحقہ دین ودنیا ص: ۵۰۹)

حرام مال اولاد کے لیے چھوڑ کر جانے سے کیا فائدہ

پھر مزا یہ کہ وہ جائداد حرام طریقہ سے حاصل کی جاتی ہے، کہیں رشوت سے کہیں سود سے اس کا وبال اور گناہ الگ ہوتا ہے۔

بعض لوگ جائداد وغیرہ حرام حلال سے جمع کر کر کے چھوڑ جاتے ہیں تا کہ اولاد کے کام آئے، میں کہتا ہوں کہ اولاد کے کام آنے سے تم کو کیا فائدہ ہوگا؟ تم جہنم میں جلتے ہوگے اور اولاد گلچھر ے (یعنی خوب مزے) اڑاتی ہوگی، (بلکہ اگر دیکھا جائے تو پسماندہ اولاد) یہ بھی تو نہیں کرتے کہ ماں باپ کے جمع کردہ ذخیرہ سے خود راحت اٹھالیں، اگر اتنا بھی کریں تو خیر والدین کا کچھ مقصود تو حاصل ہو جائے۔ مگر وہاں یہ ہوتا ہے کہ ماں باپ کی رقم اور جائداد کو دل کھول کر اڑایا جاتا ہے اور کہاں؟ رنڈی، بھڑ ووں میں، ناچ گانوں میں، یار دوستوں میں، ماں باپ نے مصیبت جھیل کر پیٹ اور تن کاٹ کر اور ایمان کھو کر گناہ سر پر لاد کر مال جائداد جمع کی تھی صاحبزادہ نے یہ قدر کی کہ سب کی سب رذیل لوگوں میں (اور ناجائز کاموں میں) اڑادی۔

(اسباب الغفلة ،ملحقہ دین و دنیا،ص:۵۰۸،الحدود والقیود ملحقہ التبلیغ:۱۵/۱۷۳)

ورثاء اور اولاد کے لیے حرام مال چھوڑ کر جانا حماقت ہے

غضب تو یہ ہے کہ بہت سے لوگ اپنے ورثاء کے لیے حرام مال جمع کرتے ہیں یہ تو اور بھی بُرا ہے کہ خود تو دوزخ میں گئے، اور آرام حاصل کیا دوسروں نے، پس حرام مال ہرگز جمع نہ کرنا چاہیے۔

حرام مال کا نہ خود کھانا جائز ہے، نہ دوسروں کو کھلانا جائز ہے، حتی کہ کافر کو بھی حرام مال کھلانا جائز نہیں، یہاں تک کہ ناپاک چیزوں کا جانوروں کو بھی

کھلانا جائز نہیں، بعض لوگ ایسا کھانا جس میں کتا منہ ڈال دے بھنگی کو دے دیتے ہیں یہ نا جائز ہے۔ (الحج المبرور ملحقہ سنت ابراہیم ص: ۲۶۰)

حرص کی وجہ سے مال جمع کرنا

فرمایا حرص کی وجہ سے حرام مال کبھی نہ جمع کرنا چاہیئے قرآن شریف میں صاف موجود ہے لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا۔ (ہرگز ہم کو نہیں پہنچ سکتا مگر اتنا ہی جتنا اللہ نے طے کر دیا ہے) اگر مال جمع بھی کرلیا تو ممکن ہے کہ اتفاقاً ایسا بیمار ہو گیا کہ کھانے سے بھی معذور ہو گیا، یا اس مال کو چور لے گئے، اس مال سے بھی نفع نصیب نہ ہوا، تو اس کو اتنا ہی ملا جتنا کہ تقدیر میں تھا۔

(ملفوظات دعوات عبدیت ۱۴/۳۸)

وارثوں کے لیے حرام کمائی کا حکم

حرام مال جو میراث میں ملے اس کا شرعی حکم

سوال ۱۷۱: ایک شخص مر گیا اور اس کی کمائی حرام ذریعہ سے ہے اور اس کا بیٹا اس کو جانتا ہے اور خاص لوگوں کو بھی جانتا ہے تو بیٹے کے واسطے یہ مال حلال ہے یا نہیں؟ اور بیٹے پر وہ مال مالکوں کے پاس واپس کر دینا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر کوئی مال علیحدہ رکھا ہے تو وہ بالکل حرام ہے، یعنی اس میں تصرف بھی نافذ نہ ہوگا (یعنی اس کا بیچنا، کسی کو ہبہ کرنا، چندہ میں دینا، خیرات کرنا بھی درست نہ ہوگا) پس اگر اس کا مالک معلوم ہے تو اس کو واپس کرنا واجب ہے اور اگر معلوم نہیں تو لقطہ (اس مال کو کہتے ہیں جو کہیں راستہ وغیرہ میں گرا پڑا مل جائے اسکا حکم یہ ہے کہ مالک نہ ملے تو اسکا صدقہ کرنا ضروری ہے) کی طرح مسکینوں پر اس کو صدقہ کر دے۔

اور اگر وہ حرام مال حلال میں مل گیا ہو تو اگر مالک مستحق معلوم ہیں تو اس کا بدل واپس کر دے۔ (امداد الفتاویٰ ۴/۱۴۵)

(خلاصہ یہ کہ) حرام مال وارثوں کے لیے بھی حرام ہے پس اگر ارباب حقوق (یعنی اس حرام مال میں جن کا حق آتا ہے) وارثوں کو معلوم ہیں تو اگر بعینہ ان کی چیز محفوظ ہے تو اس کو ورنہ اس کی قیمت واپس کر دیں۔ اور اگر معلوم نہیں ہیں تو (دو صورتیں ہیں) اگر مال حرام معین اور ممتاز ہو تو اس کو مالک کی نیت سے صدقہ کر دیں۔ اور اگر ملا ہوا ہے تو اگر اس کی قیمت کی مقدار معلوم ہے تو اس کو صدقہ کر دیں ورنہ تخمینہ (اندازہ کر کے) صدقہ کر دیں، انشاء اللہ تعالیٰ آخرت میں مواخذہ نہ ہوگا۔ (امداد الفتاویٰ ۴/۳۵۰)

سوال ۱۸۱: زید کا باپ عمرو رشوت خور تھا رشوت کے مال سے اس نے ایک مکان اور جائداد خریدی جو زید کو میراث میں ملی، زید گھریلو حالات سے بخوبی واقف ہے، اور کہتا ہے کہ یہ کل رشوت کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اور کل نہیں تو اکثر مال رشوت کا ضرور ہے۔ زید کو اس مکان میں رہنا یا اس کو بیچنا اس سے نفع اٹھانا حلال ہے یا نہیں؟ حلال نہیں تو کیا کرے؟

الجواب: فی الدر المختار ان علم ارباب الاموال وجب رده عليهم والا فان علم عين الحرام لا يحل له ويتصدق به عنه صاحبه وان كان مالاً مختلطاً مجتمعا من الحرام ولا يعلم اربابه ولا شيئاً منه بعينه حل له حكماً والاحسن ديانة التنزه عنه اهـ. (درمختار)

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جن سے رشوت لی ہے اگر وہ معلوم ہوں یا کوئی خاص چیز رشوت میں لی ہوئی بعینہ موجود ہو تب تو زید کو اس سے نفع اٹھانا حلال نہیں، ورنہ فتویٰ کی رو سے حلال ہے تقویٰ کے خلاف ہے۔

(امداد الفتاویٰ ۴/-۱۴۸)

باب (۳)

وصیت اور میراث کا بیان

وصیت سے متعلق ضروری معلومات

(۱) کسی شخص کا یہ کہنا کہ میرے مرنے کے بعد میرا اتنا مال فلاں آدمی کو یا فلاں نیک کام میں دے دینا یہ وصیت ہے چاہے تندرستی میں کہے چاہے بیماری میں۔

(۲) اگر کسی کے ذمہ نمازیں یا روزے یا زکوٰۃ اور قسم وغیرہ کا کفارہ باقی رہ گیا ہو اور اتنا مال بھی موجود ہو تو مرتے وقت اس کے لیے وصیت کرنا ضروری اور واجب ہے۔

(۳) اسی طرح اگر کسی کا کچھ قرض ہو یا کوئی امانت اس کے پاس رکھی ہو اس کی وصیت بھی واجب ہے

(۴) اگر کچھ رشتہ دار غریب ہوں جن کو شرعی حکم کے لحاظ سے میراث میں حق نہ پہنچتا ہو تو ان کو کچھ دلا دینا اور وصیت کر جانا مستحب ہے۔

(۵) نابالغ کا وصیت کرنا درست نہیں۔ (بہشتی زیور جلد ۵)

کس رشتہ دار کے لیے وصیت کرنا جائز ہے؟

(۶) جس شخص کو میراث میں مال ملنے والا ہو جیسے ماں باپ شوہر بیٹا وغیرہ اس کے لیے وصیت کرنا صحیح نہیں اور جس رشتہ دار کا اس مال میں کچھ حصہ نہ ہو

یا رشتہ دار ہی نہ ہو کوئی غیر ہو اس کے لیے وصیت کرنا درست ہے۔

اگر کسی نے اپنے وارث کو وصیت کر دی کہ میرے بعد اس کو فلانی چیز دے دینا تو اس وصیت سے پانے کا اس کو کچھ حق نہیں۔ البتہ اگر سب بخوشی راضی ہو جائیں تو تہائی سے زیادہ ملے گا، ورنہ فقط تہائی ملے گا، اور نابالغوں کی اجازت کا کسی صورت میں اعتبار نہیں۔ (بہشتی زیور ۵/۵۸)

(الغرض) وارث کے لیے وصیت کرنا دوسرے ورثاء کی اجازت کے بغیر جائز نہیں۔ اور دوسرے ورثاء کی اجازت وہی معتبر ہے جو موصی (یعنی جس نے وصیت کی ہے اس کے) مرنے کے بعد ہو، وصیت کے وقت کی اجازت کا اعتبار نہیں۔ (امداد الفتاویٰ ۴/۳۴۳)

وصیت صرف تہائی مال میں

وصیت کا اختیار صرف تہائی مال سے ہوتا ہے یعنی جتنا مال چھوڑا ہے اس کی تہائی میں سے اگر وصیت پوری ہو جائے مثلاً کفن دفن اور قرضہ ادا کرنے کے بعد تین سو روپئے بچے اور سو روپئے میں سب وصیتیں پوری ہو جائیں تب تو وصیت کو پورا کریں گے، اور تہائی مال سے زیادہ لگانا وارثوں کے ذمہ واجب نہیں ہے تہائی میں سے جتنی وصیتیں پوری ہو جائیں اس کو پورا کریں۔ باقی چھوڑ دیں، البتہ اگر سب وارث بخوشی رضامند ہو جائیں کہ ہم اپنا اپنا حصہ نہ لیں گے تم اس کو وصیت میں لگا دو تو البتہ تہائی سے زیادہ بھی وصیت میں لگانا جائز ہے لیکن نابالغوں کی اجازت کا بالکل اعتبار نہیں ہے۔ وہ اگر اجازت بھی دے دیں تب بھی ان کا حصہ خرچ کرنا درست نہیں۔

فائدہ: اگرچہ تہائی مال میں وصیت کر جانے کا اختیار ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ پوری تہائی کی وصیت نہ کرے، کم کی وصیت کرے، بلکہ اگر بہت زیادہ

مالدار نہ ہو تو وصیت ہی نہ کرے، وارثوں کے لیے چھوڑ دے کہ اچھی طرح آرام سے گذر کریں، کیونکہ اپنے وارثوں کو آسائش و آرام میں چھوڑ جانے میں بھی ثواب ملتا ہے ہاں البتہ اگر ضروری وصیت ہو جیسے نماز وروزہ کا فدیہ تو اس کی وصیت بہرحال کر جائے ورنہ گناہ ہوگا۔

اور اگر کسی کے کوئی وارث نہ ہو تو اس کو پورے مال کی بھی وصیت کر دینا درست ہے اور اگر صرف بیوی ہے تو تین چوتھائی کی وصیت درست ہے، اور اگر کسی کے صرف میاں (شوہر) ہیں تو آدھے مال کی وصیت درست ہے۔

(بہشتی زیور ص:۵۹)

میراث کے مسئلہ میں ورثاء کی کوتاہی

آج کل لوگ میراث کے مسئلہ میں بہت زیادہ بے احتیاطی کرتے ہیں کیونکہ خود مالک تو اپنے ہاتھ سے تقسیم کرتا نہیں مرنے والا تو مر گیا اب جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ بس جس کے ہاتھ میں کنجی ہوئی وہ مالک بن بیٹھا۔ میراث کے معاملہ میں لوگوں کو ذرا بھی احتیاط نہیں اکثر تو چھپا ہی لیتے ہیں، دوسرے وارثوں کو پتہ ہی نہیں چلنے دیتے (کہ اس کے پاس کیا کیا سامان تھا) اکثر لوگ زبردست ہونے کی وجہ سے قابض ہو جاتے ہیں اور زیادہ بے فکری (اور ظلم) وہاں ہوتا ہے جہاں قانون سے بھی انہیں کو ملتا ہو جیسے کہ اودھ میں قانون ہے کہ میراث کا مالک بڑا لڑکا ہوتا ہے اور دوسرے لوگ وظیفہ خوار۔ خوب سمجھ لو کہ یہ بالکل حرام ہے۔ شریعت نے میراث کے احکام خود مقرر کئے ہیں، کوئی قانون شریعت کو منسوخ نہیں کر سکتا، شریعت نے میراث میں جن جن لوگوں کا حق رکھا ہے ان کو پہنچانا واجب ہے دوسرے کے حق سے نفع اٹھانا یا کسی اور کو دینا حلال نہیں۔ (التبلیغ احکام المال ۱۵/۸۷)

میراث جلد ہی تقسیم کرنا چاہیئے

میری رائے ہے کہ ترکہ (یعنی میراث) مرتے ہی تقسیم ہو جائے بعد میں بڑے جھگڑے پھیل جاتے ہیں۔

ترکہ میں (یعنی میت کے مال میں) سب سے پہلے دیکھنے کی ضروری چیزیں یہ ہیں کہ مرحوم کے ذمہ قرض تو نہیں ہے؟ اگر قرض ہے تو پہلے اس کو ادا کیا جائے، اگر قرض نہیں یا ادا ہو کر کچھ مال بچ گیا تو اب یہ دیکھو کہ مرحوم کی کچھ وصیت تو نہیں؟ اگر کوئی جائز وصیت ہے تو شرع کے مطابق تہائی مال میں وصیت کو پورا کیا جائے، جب اس سے یکسوئی ہو جائے اور ترکہ خالص وارثوں کا ہو جائے تو اب ہر وارث کو اس کے شرعی حصہ کے مطابق تقسیم کر دیا جائے۔

(انفاس عیسیٰ ا/۳۳۵-۲/۶۳۶)

میراث تقسیم کرنے کا طریقہ

میراث تقسیم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ میراث کا مال تقسیم کر کے ہر شخص کا حصہ اس کو پہنچا دیا جائے، منقول وغیر منقول (یعنی وہ سامان جو منتقل ہو سکتے ہیں جیسے سامان غلہ وغیرہ اور غیر منقول جیسے مکان، جائداد وغیرہ) سب کو اس طرح تقسیم کر لو کہ جو چیزیں ذوات الامثال (یعنی ایک جیسی ہیں) جس کا مثل پایا جاتا ہے مثلاً غلہ ان کو بعینہ بانٹ لو، اور جو چیزیں متماثل (ایک جیسی) نہ ہوں اس کی آسان صورت یہ ہے کہ اس کی قیمت لگا لو، اور (قیمت کے اعتبار سے تقسیم کر لو اور) اگر اختلاف ہو تو قرعہ ڈال لو، یا نیلام کر کے (فروخت کر کے) دام تقسیم کر لو، غرض سب کی رضامندی سے جب پورا ترکہ تقسیم ہو جائے اس وقت جس کا جی چاہے اپنے حصہ میں خیرات (ایصال ثواب) کر دے۔ (شفاء العی ص:۲۱۰)

میراث کے مسئلہ میں عام لاپرواہی وبدنیتی

فرائض (یعنی میراث کے مسئلے) میں ہم دیکھتے ہیں (کہ لوگوں کی حالت یہ ہے کہ) اگر اپنے آپ کو ملتا ہوا حصہ دیکھتے ہیں تب تو فرائض (میراث کا حصہ) نکلواتے ہیں ورنہ نہیں، اور بعض لوگ تو شروع ہی میں پوچھ لیتے ہیں کہ ہمارا بھی کچھ حصہ ہے یا نہیں اگر کچھ حصہ ہوا تو مسئلہ نکلواتے ہیں، اور اگر نہ ہوا تو چل دیتے ہیں، اور بعض لوگ اس امید پر مسئلہ نکلواتے ہیں کہ کچھ ملے گا مگر جب ان کو مسئلہ نکال کر سنایا جاتا ہے اور وہ دیکھتے ہیں کہ ہمارا اس میں کچھ نہیں ہے تو بہت بددل ہوتے ہیں۔

ایک صاحب میرے پاس میراث کا مسئلہ لائے اور پوچھا کہ میرا کتنا حصہ ہے؟ میں نے بتلا دیا کہ اتنا ہے، ان کو وہ بہت کم معلوم ہوا، کہنے لگے کہ میرا حصہ کیوں گھٹ گیا؟ میں نے کہا کہ فلاں وارث کی وجہ سے کم ہوگیا اور اگر وہ نہ ہوتا تو تم کو زیادہ ملتا، تو کہنے لگے جناب پھر اس کو نہ لکھیے۔

اور اکثر میراث کا مسئلہ وہی پوچھتا ہے جس کے قبضہ میں کچھ نہ ہو اور قبضہ چاہتا ہو اور جو قابض ہوتا ہے وہ کبھی فرائض نہیں نکلواتا کیونکہ جانتا ہے کہ تقسیم کرنی پڑے گی، اور میرے قبضہ سے مال ودولت نکل جائے گا، غرض لینے کے واسطے میراث کا حصہ نکلواتے ہیں دینے کے لیے کوئی نہیں نکلواتا، الا ماشاء اللہ۔

پوری عمر بھر میں ایک شخص آئے جو تمام ریاست پر قابض تھے انہوں نے حصے نکلوائے تھے تاکہ شرع کے موافق جائداد تقسیم کریں۔ اور ان کے سوا جو آتا ہے ایسا ہی آتا ہے جو لینا چاہتا ہے اور دینا نہیں چاہتا۔

(ذم ہویٰ ملحقہ آداب انسانیت ص:۲۴۰)

انتقال کے بعد اس کی میراث جلد تقسیم کرنا چاہئے

لوگوں نے مال کے بارے میں بڑی بے احتیاطیاں کر رکھی ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ بس شریعت کا تعلق صرف نماز روزہ سے ہے حالانکہ شریعت کا معاملات اور اموال سے پورا تعلق ہے، قیامت کے روز تین پیسہ کے عوض میں سات سو مقبول نمازیں لی جائیں گی، پھر حضرت اگر ایسا ہوا تو ہمارے پاس کیا بچے گا۔

خدا کے لیے معاملات کو درست کرو میراث میں (آج کل) بڑی خرابیاں ہو رہی ہیں بیوہ کو اگر سارا مال مل جاتا ہے تو وہ اس کو اس طرح لٹاتی ہے اور یتیم بچوں کا بھی حصہ نہیں چھوڑتی ہے اور اگر کسی اور کا قبضہ ہو جائے تو وہ مالک بن بیٹھتا ہے، دوسرے وارثوں کو نہیں دیتا، رہیں گھر کے برتنے کی (گھر میں استعمال ہونے والی) چیزیں سو وہ مشترک ہی رہتی ہیں ان کی کبھی تقسیم ہی نہیں کی جاتی۔

یہ گڑبڑ ہو رہی ہے میراث میں بس ان سے بچنے کی آسان صورت یہ ہے کہ جب کسی کا انتقال ہو جائے تو جتنا مال واسباب (سامان) ہو سب تقسیم کر دو، اور بالکل دیر نہ کرو، دیر کرنے میں بڑی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

(التبلیغ ۱۵/۹۳)

عمدہ نمونہ

بطور نمونہ کے چند واقعات سناتا ہوں، میرے والد صاحب کے پاس قلمدان تھا، ان کے انتقال کے بعد میں نے لے لیا کیونکہ سارے ورثاء بالغ تھے اور میرے لینے سے سب خوش تھے مگر مجھے پھر کھٹکا ہوا کہ میرے فعل سے دوسروں کو سند ہو گی، بس میں نے قیمت کا (اندازہ) کر کے ورثاء کو (قیمت) تقسیم کی اور میں نے کہہ دیا چاہے قلمدان لے لو، چاہے پیسے لے لو، اور وجہ اس کی یہ تھی کہ مجھے مفت لیتے ہوئے غیرت آئی کہ کیوں ورثاء کی منت (احسان)

لوں کہ ان سے معاف کراؤں۔ دوسرے مجھے (دوسروں کو) سبق سکھانا تھا کہ (ایسے موقع پر) یوں کیا کرتے ہیں۔

دوسرا واقعہ: میرے والد صاحبؒ کے سامان میں دو چوغے تھے جو لکھنؤ سے لائے تھے ایک میرے لیے ایک بھائی کے لیے مگر دینے نہ پائے تھے کہ ان کا انتقال ہو گیا، اگر میں لے لیتا تو الحمد للہ کوئی ان کا مطالبہ کرنے والا نہ تھا اور نہ ان کے کسی کام کے تھے، خوشی سے سب مجھ کو دے دیتے، مگر میں نے کہا کہ ان میں بھی میراث جاری ہوگی، یہ میں نے اس وجہ سے کیا کہ اس سے اوروں کو سبق ملے گا۔

برتن وغیرہ سب کی تقسیم شریعت کے موافق کی گئی اور تھوڑی ہی دیر میں تمام ترکہ تقسیم ہو گیا، اور ذرا بھی نزاع (جھگڑا) نہیں ہوا۔

اس لیے میری رائے یہ ہے کہ ترکہ (میراث) بعد مرتے ہی تقسیم ہو جائے، بعد میں بڑے قصے پھیل جاتے ہیں، اب تو برسوں کے بعد تقسیم ہوتی ہے اور بڑی خرابیاں (اور لڑائیاں) ہوتی ہیں۔ بس خدا سے ڈرنا چاہئے اور معاملات کو درست کرنا چاہئے۔ (التبلیغ وعظ احکام المال ۱۵/۹۴)

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی احتیاط وتقویٰ

ایک روز بیٹھے ہوئے اچانک خیال آیا کہ والد مرحوم نے چار شادیاں کیں تو چار دین مہر (مہر کے قرض) کے والد صاحب قرض دار ہوئے اور اس قرض کی ادائیگی یا معافی مشکوک، جس کا کچھ پتہ نہیں، والد صاحب نے کافی ترکہ چھوڑا تو دیون ترکہ سے متعلق ہو گئے، اور اس ترکہ سے مجھ کو بھی حصہ ملا تو اسی نسبت سے میرے ذمہ بھی دین ہو گیا گو اس زمانہ میں معافی مہر کی رسم غالب بلکہ عام تھی، اس لیے مجھ کو تردد ہوا مگر صاحب غرض ہونے کی وجہ سے

اپنی رائے پر وثوق (اعتماد) نہیں کیا، بلکہ چند علماء سے تحریری بھی اور زبانی بھی استفتاء کیا جس کے جواب میں علماء کے مختلف جوابات آئے، مگر یہی طے کیا کہ شبہ کی حالت میں دوسروں کا دے تو دینا چاہیے، اپنا نہیں لینا چاہیے، اگر اپنا حق ہو بھی تو معاف کر دینا چاہیے، اس لیے ایک عالم سے فرائض نکلوا کر اس قدر رقم جدا کر دی جس قدر میرے ذمہ آئی۔ (الافاضات الیومیہ ۲/۱۹۰)

شرعی حکم

شرعی حکم یہ ہے کہ میت کا کل ترکہ (یعنی جو مال میت نے چھوڑا ہے وہ سب) ورثاء کے درمیان مشترک ہے۔ اور مشترک مال کو دوسرے شرکاء (حصہ داروں) کی اجازت کے بغیر خرچ کرنا جائز نہیں، پس ترکہ میں کرتہ پائجامہ حتی کہ ٹوپی، کمر بند رومال بلکہ سوئی تک بھی تقسیم سے پہلے سب ورثاء کی رضامندی کے بغیر کسی کو دینا جائز نہیں۔ (اصلاح المسلمین ص:۴۸۱)

میت کے مال سے مہمان نوازی کرنا درست نہیں

مردے کے مال میں سے لوگوں کی مہمان داری، اور آنے والوں کی خاطر مدارات، کھلانا پلانا، صدقہ خیرات وغیرہ کچھ کرنا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح مرنے کے بعد سے دفن کرنے تک جو کچھ اناج وغیرہ فقیروں کو دیا جاتا ہے مردہ کے مال میں سے اس کا دینا بھی حرام ہے، مردے کو ہرگز کچھ ثواب نہیں پہنچتا، بلکہ ثواب سمجھنا بہت سخت گناہ ہے، کیونکہ اب یہ سب مال تو وارثوں کا ہو گیا، دوسروں کی حق تلفی کر کے دینا ایسا ہی ہے جیسا کہ دوسروں کا مال چوری کر کے دے دینا، سب مال وارثوں کو بانٹ دینا چاہیے، ان کو اختیار ہے اپنے اپنے حصہ میں شریعت کے موافق کچھ کریں یا نہ کریں۔ بلکہ وارثوں سے اس

خرچ کرنے اور خیرات کرنے کی اجازت بھی نہ لینا چاہئے، کیونکہ اجازت لینے سے صرف ظاہری دل سے اجازت دیتے ہیں کیونکہ اجازت نہ دینے میں بدنامی ہوگی، ایسی اجازت کا کچھ اعتبار نہیں۔ (بہشتی زیور ۶۱/۵)

میت کے مال سے نماز وروزہ کا فدیہ دینا

بعض لوگ تقویٰ کے جوش میں آکر مشترک ترکہ (میراث کے مال میں) میت کے وصیت کئے بغیر نماز روزہ کا فدیہ دلواتے ہیں، سواس میں حکم یہ ہے کہ اگر میت وصیت کرے (کہ میری نماز کا مثلاً فدیہ دے دے دینا) تو تہائی مال میں فدیہ دینا وارثوں کے حق پر مقدم ہے (یعنی میراث تقسیم کرنے سے پہلے تہائی مال سے فدیہ دیا جائے گا) اور اگر وہ وصیت نہ کرے تو اب جس کو دینا ہو خاص اپنی میراث کے حصہ میں سے یا اپنے پہلے مال سے دے۔

(اصلاح انقلاب ص:۲۴۰)

میت کے مال سے صدقہ خیرات کرنا بھی درست نہیں

ہندوستان میں عام رواج ہے کہ میت کے مرنے کے بعد جو خاندان کا بڑا اور سرپرست ہے وہ کچھ ایصال ثواب کے نام سے کچھ فضول رسموں میں اس ترکہ (یعنی میت کے مال) سے خرچ کرتا ہے، سوایسا کرنے سے اس شخص کو اپنے حصہ میں سے تمام روپیہ بھرنا پڑے گا، البتہ بالغ وارثوں کی اجازت سے جو خرچ ہو وہ سب ان کے حصہ میں پڑے گا اور جن کی صاف اجازت نہیں یا جو نابالغ ہیں ان کا حصہ تقسیم میں پورا دینا پڑے گا۔ (صفائی معاملات ص:۲۷)

اسی طرح جو دستور ہے کہ میت کے استعمال والے کپڑے خیرات کردیئے جاتے ہیں یہ بھی وارثوں کی اجازت کے بغیر ہرگز جائز نہیں، اور اگر

وارثوں میں سے کوئی نابالغ ہو تب تو اجازت دینے پر بھی جائز نہیں، پہلے مال تقسیم کرلو، تب بالغ لوگ اپنے حصہ میں سے جو چاہیں دیں۔ بغیر تقسیم کے ہرگز نہ دینا چاہیے۔ (بہشتی زیور ۵/۶۱)

(عام طور سے لوگ) میت کے کپڑے (لوٹا مصلی، چوکی وغیرہ) رواج کے مطابق سب نکال کر مدارس و مساجد میں اور مسکینوں کو دے دیتے ہیں حالانکہ مشترک ترکہ (میراث) میں بالغوں کی اجازت شرط ہے، اور اجازت بھی وہ جو دلی رضامندی سے واقعی ہو، شرم اور لحاظ اور رسم و رواج کی پابندی کی مجبوری سے نہ ہو اور نابالغوں کی اجازت بھی معتبر نہیں۔ یہ بلا بھی بہت عام ہے اس میں بہت بے پروائی ہے۔ (اصلاح انقلاب ۱/۲۱۰)

میراث کے مال میں اسلاف واکابر کی احتیاط

میراث کے مسئلہ میں اسلاف بہت احتیاط کرتے تھے، ایک بزرگ ایک دوست کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، وہاں گئے تو ان کو نزع کی حالت میں پایا، چنانچہ تھوڑی دیر میں ان کا انتقال ہوگیا وہاں چراغ جل رہا تھا آپ نے فوراً اسے گل کر دیا اور اپنے پاس سے پیسے دے کر تیل منگایا اور اس سے چراغ روشن کیا، اور فرمایا کہ وہ تیل مرحوم کی ملک اسی وقت تک تھا جب تک کہ وہ زندہ تھے، اور انتقال ہوتے ہی اب تمام وارث اس کے مالک ہوگئے، جس میں بعض ورثاء یتیم ہیں، بعض غائب ہیں اس لیے اس کا استعمال جائز نہیں۔

یہ تھی ان حضرات کی احتیاط، اور اب تو تیل کیا ہاتھی کے ہاتھی نگل جائیں، اور خبر نہ ہو، زیادہ افسوس یہ ہے کہ اہل علم بھی اس کی پرواہ نہیں کرتے۔ (التبلیغ ۱۵/۸۷، احکام المال)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی احتیاط

اسلاف کو دیکھئے کہ ایسے مالوں میں کتنی احتیاط کرتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکایت ہے کہ ایک دفعہ آپ چراغ کی روشنی میں وقف کے مال کا حساب لکھ رہے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے ان کو آتے ہوئے دیکھ کر آپ نے چراغ گل کر دیا۔ انہوں دریافت کیا ایسا کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا کہ یہ چراغ بیت المال کے تیل کا ہے اگر روشن رہنے دیتا اور آپ سے باتیں کرتا تو باتوں میں اس کا صرف کرنا درست نہ تھا اور اگر آپ سے باتیں نہ کرتا تو مروت کے خلاف تھا۔

(احکام المال ملحقہ التبلیغ)

شرعی تقسیم کسے کہتے ہیں

تقسیم صحیح ہونے کے لیے ہر ایک کا حصہ علیحدہ کرنا اور بالغوں کا قبضہ کرا دینا ضروری ہے۔ (امداد الفتاویٰ ۳/۴۷۰)

تقسیم میں جب تک سب کا حصہ علیحدہ نہ ہو جائے وہ تقسیم معتبر نہیں بلکہ مال مشترک بدستور مشترک رہے گا۔

اسی طرح اگر بعض شرکاء اپنا حصہ علیحدہ کر لیں مگر بعض کو ان کا حصہ تسلیم نہ ہو وہ بھی تقسیم نافذ نہیں ہوتی۔ (امداد الفتاویٰ ص: ح ۳۴۰)

مرنے کے بعد ورثاء کی چند کوتاہیاں

۱- ایک کوتاہی یہ ہے کہ جو چیز جس وارث کے قبضہ میں آ جاتی ہے وہ اس کو چھپا لیتا ہے، مگر یاد رہے کہ قیامت کے دن سب اگلنا پڑے گا۔

۲- ایک کوتاہی یہ کہ بعض بیوہ عورتیں اپنے کو تمام منقولات (سامان) کا

مالک سمجھتی ہیں یہ بھی ظلم ہے، جو چیز شوہر نے اس کو ہبہ کردی وہ بے شک اس کی ہے ورنہ اور سب مشترک ترکہ (میراث) ہے حسب فرائض (یعنی وارثوں کے حصہ کے اعتبار سے) سب کو دینا چاہئے۔

۳- ایک کوتاہی یہ کہ اگر دولہن اپنے میکہ میں مرجائے تو اس کے تمام سامان پر وہ لوگ قبضہ کرلیتے ہیں، اگر سسرال میں مرجائے تو وہ لوگ قبضہ کرلیتے ہیں، ہم نے کہیں شرعی اعتبار سے تقسیم ہوتے سنا ہی نہیں، اس میں بھی اوپر کی وعید کو یادرکھنا چاہئے۔

۴- ایک کوتاہی یہ کہ بعض لوگ لڑکیوں کو میراث نہیں دیتے جو قرآن کی نص سے حرام اور ظلم ہے۔

۵- ایک کوتاہی یہ کہ کبھی میت کے وارثوں میں وہ بچہ بھی ہوتا ہے جو ابھی ماں کے پیٹ میں ہو، ہم کو یاد نہیں کہ کسی مستفتی نے سوال میں کبھی اس کو ظاہر کیا ہو اور ہم جواب دینے والے لوگوں کی بھی کوتاہی ہے کہ اس کا احتمال ہی نہیں ہوتا، اور سوال کرنے والے اس کی تحقیق ہی نہیں کرتے، حالانکہ مذہب کا ضروری مسئلہ ہے۔ اس بچہ کے پیدا ہوئے بغیر میراث کی تقسیم معلق رہے گی۔ (اصلاح انقلاب ۱/۲۴۲، ۲۴۳)

میراث کی تقسیم میں کوتاہی

میراث کے تقسیم کرنے میں اولاً تو یہ کوتاہی ہوتی ہے کہ جس جس وارث کو شریعت نے مستحق ٹھہرادیا ہے اس کے مطابق آج کل ورثاء کے حقوق ہی نہیں سمجھتے بلکہ عام رواج میں جس کو وارث کہا جائے وہی حقدار سمجھا جاتا ہے اور یہ صریح مقابلہ ہے شریعت کا جس سے کفر کا اندیشہ ہے۔ اس سے توبہ کرو اور شریعت کے مطابق میراث تقسیم کیا کرو۔

آج کل بہنوں کا میراث میں کچھ حق نہیں سمجھا جاتا اور اگر کسی نے بہت کو حقدار سمجھا بھی تو اس سے معافی کرانے کی فکر کی جاتی ہے، اور معافی کی صورت یہ ہوتی ہے کہ وہ جانتی ہے کہ مجھے کچھ ملتا تو ہے نہیں کیونکہ ظالموں نے قانون میں بہن کو میراث سے محروم کررکھا ہے تو بھائی صاحب سے بُری کیوں بنوں، تو وہ مجبور ہوکر اپنا حق معاف کردیتی ہے، اور جہاں قانوناً اسے حق مل سکتا ہے وہاں بھائی صاحب سے حصہ لینے میں بدنامی سمجھتی ہے، ایسے لوگ دعویٰ کرتے ہیں شریعت کی اتباع کا کہ ہم نے تو بہن سے کہا تھا اس نے خود ہی اپنا حق چھوڑ دیا، خوب سمجھ لینا چاہئے کہ یہ معافی معتبر نہیں البتہ اگر بہن کو اس کا حق سپرد کردیا جائے پھر وہ قبضہ کے بعد بلکہ چندروز اس سے نفع اٹھانے کے بعد خوش دلی سے ہبہ کردے تو جائز ہوسکتا ہے ورنہ دلی مرضی کے بغیر یہ رسمی اجازت ہرگز معتبر نہیں۔ (شفاء العی ملحقہ تدبیر وتوکل ص:۲۱۱)

مرتے وقت مہر یا کسی کا قرض معاف کرنا

ایک کوتاہی جو بہت عام ہے کہ جب کوئی عورت مرنے لگتی ہے کہتے ہیں کہ شوہر (کے مہر) کو معاف کردو، اور وہ معاف کردیتی ہے، اور شوہر اس کے معافی کو کافی سمجھ کر اپنے کو مہر کے قرض سے بری سمجھتا ہے اور اگر کوئی وارث مانگے بھی تو اس کو دیتا نہیں، نہ اس کا دینا ضروری سمجھتا ہے۔

خوب سمجھ لیا جائے کہ اس وقت کی معافی وصیت ہے، اور وارث کے حق میں وصیت نافذ نہیں ہوتی، جب تک کہ سب بالغ ورثاء اس کو منظور نہ کریں۔

(اصلاح انقلاب ۱/۲۲۸)

ایسی بیماری کی حالت میں جس میں کہ مرجائے اپنا قرض معاف کرنے کا بھی اختیار نہیں ہے، اگر کسی وارث پر قرض آتا تھا اور اس کو معاف کیا تو

معاف نہیں ہوا، البتہ سب وارث یہ معافی منظور کریں اور وہ سب بالغ ہوں تب معاف ہوگا، اور اگر کسی غیر وارث کو معاف کیا تو تہائی مال میں سے جتنا زیادہ ہوگا معاف نہ ہوگا۔

اکثر دستور ہے کہ بیوی مرتے وقت اپنا مہر معاف کر دیتی ہے یہ معاف کرنا صحیح نہیں۔ (بہشتی زیور ۵/۶۰)

میراث کے مسئلہ میں عورتوں سے متعلق ایک بڑی کوتاہی

ایک اہم مسئلہ جس کے متعلق بعض اہل علم بھی غلطی میں مبتلا ہیں وہ یہ کہ بعض دفعہ کوئی خاص وارث اپنا حق نہیں لیتا چاہتا مثلاً، بہن عام طور سے اپنا حق نہیں لیتی، اور اس کی شروعات ظلم سے ہوئی ہے، مگر اب عام رسم ہوگئی کہ میراث میں سے عورت کے لیے حصہ لینا عیب شمار کیا جاتا ہے، اس واسطے وہ حصہ نہیں لیتی، بلکہ یہ کہہ دیتی ہے کہ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ میرا حصہ بھائی لے لے، تو اس کے اس کہنے سے بھائی اس بہن کے حصہ کا مالک نہیں ہوتا، کیونکہ اول تو جب اس رسم ورواج کی بنیاد ظلم پر ہے تو بہن نے خوش دلی سے اپنا حصہ نہیں چھوڑا، اور بغیر خوش دلی کے کسی کا مال دوسرے کیے لیے حلال نہیں۔

دوسرے فرض کیجئے اگر واقعی بہن خوش دلی سے بھی کہہ دے تب بھی اس وجہ سے کہ اضطراری طور پر مالک ہو جانے سے وہ حصہ اس کی ملک ہوگیا، (یعنی بہن خود بخود میراث کے حصہ کی مالک ہوگئی) اور مالک ہو جانے کے بعد کوئی عقد (معاملہ) ملکیت منتقل ہونے کا پایا نہیں گیا، اس لیے وہ حصہ اس کی ملک سے خارج نہیں ہوا، بلکہ وہ میراث کے مال میں اپنے حصہ کی بدستور مالک ہے۔

اب اگر اس نے اپنی زندگی میں نہ لیا تو مرنے کے بعد بہن کی اولاد اس کا حصہ پائے گی، وہ اگر ماموں سے لینا چاہیں تو شرعاً مطالبہ کر سکتے ہیں۔ اس

میں غلطی کی بنیاد یہ ہوئی کہ بہن کے اس کہنے کو کہ میں اپنا حصہ نہیں چاہتی کافی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ کافی نہیں۔

اس پر شاید یہ سوال ہو کہ پھر کیا کہیں کیا یوں کہہ دے کہ اپنے حصہ سے دستبردار ہوتی ہوں سو یہ بھی کافی نہیں، کیونکہ یہ ابراء (یعنی معاف کرنا) دیون سے (یعنی قرض سے ہوتا ہے) اعیان سے نہیں یعنی اگر کسی کے ذمہ میرے دس روپئے آتے تھے اور میں نے کہا کہ میں نے یہ روپئے معاف کردیئے تو میرے اس کہنے سے قرض اس کے ذمہ سے ساقط ہوگیا، یہ تو براءت عن الدین (یعنی قرض سے معافی ہوئی ہے)۔

اور اگر میرا قلمدان رکھا ہے میں نے کہاں جاؤ میں نے تمہیں یہ قلمدان معاف کردیا تو اس کہنے سے نہ وہ میری ملک سے خارج ہوا، نہ آپ اس کے مالک ہوئے، یہاں تو وَھَبْتُ نَحَلْتُ (میں نے ہبہ کیا، ہدیہ دیا) اور اس جیسے الفاظ کی ضرورت ہوگی اور اسی طرح ہبہ کے تمام شرائط کا پایا جانا ضروری ہوگا۔ اس واسطے بہن کے معاف کردینے سے وہ حق وراثت معاف نہیں ہوا، اور نہ بھائی اس کا مالک ہوا، کیونکہ وہ حصہ، حصہ عین ہے، دین (قرض) نہیں ہے۔ اگر واقعی اس کی دینے کی نیت ہو تو اس کو ہبہ کے الفاظ کے ساتھ ہبہ کرنا چاہئے، یا بیع (یعنی باقاعدہ بیچنے کا معاملہ) کرنا چاہئے، اور جو کچھ کرے اس کے شرائط پورے کرنا چاہئے، مثلاً اگر ہبہ کرے تو مسئلہ یہ ہے کہ تقسیم سے پہلے ہبہ صحیح نہیں، مثلاً ایک جائداد تقسیم کے قابل ہے اور اس میں بہن کا حصہ ہے اور بہن نے تقسیم سے پہلے اپنا حصہ ہبہ کیا (یعنی کسی کو دے دیا) تو یہ ہبہ (دینا) جائز نہیں، اور اگر تقسیم کے بعد ہبہ ہوا تو قبضہ کی شرط کے ساتھ صحیح ہے۔

الغرض ہبہ صرف کاغذی نہیں ہونا چاہئے حسّی و حقیقی ہونا چاہئے، کاغذ تو محض تکمیل ہبہ کی سند اور حکایت ہے۔ شرعاً جو تقسیم مطلوب ہے وہ کاغذی نہیں

بلکہ حسّی حد بندی ہونا چاہئے۔ یہ تو ہبہ کے لیے شرط ہے۔

اور ایک شرط دیانۃً بھی ہے وہ یہ کہ خوش دلی اور طیب خاطر (یعنی دلی مرضی) سے ہونا چاہئے، اگر خوش دلی نہیں تو ہبہ سے ملک تو ہو جائے گی مگر ملک خبیث رہے گی۔

دیکھئے میاں بیوی کے بارے میں ارشاد ہے کہ اگر وہ مہر معاف کر دیں خوشی خوشی تو کھاؤ، ورنہ نہیں۔ میاں بیوی میں جتنی بے تکلفی ہوتی ہے اتنی بھائی بہن میں نہیں ہوتی تو یہاں کیوں کر طیب خاطر یعنی دلی رضامندی کا لحاظ ضروری نہ ہوگا۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ بہن جو دیتی ہے وہ طیب خاطر سے نہیں دیتی، بلکہ بدنامی کے خوف سے دیتی ہے اس لیے یہ ہبہ اللہ کے نزدیک صحیح نہیں ہوا۔ باقی یہ بات کہ خوش دلی کیسے معلوم ہو تو اس کی صورت یہ ہے کہ جائداد تقسیم کر کے بہن کو اس کے حصہ پر قبضہ کرا دو اور دو تین سال تک اسے جائداد کی آمدنی سے نفع اٹھانے دو کہ اسے جائداد کا لطف تو آ جائے اور معلوم ہو جائے کہ زمینداری کیا چیز ہے، اس کے بعد دیکھئے کتنی بہنیں اپنا حصہ دیتی ہیں۔

(اسرار العبادۃ، حقیقت عبادت ص:۱۵۵)

لڑکیوں، بہنوں کو حصہ دینے میں واقعی بڑی کوتاہی

عام رواج ہے کہ لڑکیوں کو اور بہنوں کو ترکہ سے (یعنی میراث سے) حصہ نہیں دیتے، جو صریح نص قطعی کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ نے سورۂ نساء میں فرمایا ہے جو کچھ مال ماں باپ، اقارب نے چھوڑا، اس میں مردوں کا بھی حصہ ہے، تھوڑا مال چھوڑا ہو یا زیادہ، یہ حصہ فرض کیا ہوا ہے ایسے صاف حکم کے خلاف پر کس طرح جرأت ہوتی ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ صاحب وہ لیتی نہیں، ان سے پوچھنا چاہئے کہ تم

نے کب دیا تھا کہ انہوں نے انکار کیا البتہ لحاظ ومروت کی وجہ سے انہوں نے مانگا نہیں، اس سے کسی کا مال حلال نہیں ہوسکتا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے دینا چاہا تھا انہوں نے نہیں لیا، یہ عذر بھی ناکافی ہے۔ یہ نہ لینا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ لوگ ملامت کریں گے یہ شرعاً معتبر نہیں۔ ایک نہ لینا محض دلی رضامندی سے ہوتا ہے، (اور ایک ملامت اور بدنامی کے اندیشہ سے) اس کا فیصلہ ہر شخص انصاف سے خود کرسکتا ہے۔ اس زمانہ میں چونکہ اکثر لوگ حاجتمند اور مفلس ہیں اور مال کی محبت اکثر دلوں میں راسخ ہے، اس لیے رسمی اجازت کا اعتبار نہیں۔ بلکہ ضروری ہے کہ مورث کے مرنے کے بعد سب کا نام بھی درج کرایا جائے، اور ششماہی یا سالانہ آمدنی پر سب حساب کرکے ہر ایک کا حصہ روپیہ یا غلہ اصرار کرکے دیا جائے، اگر اعلان سے (یعنی سب کے سامنے) لینا اس کو ناگوار ہو تو خفیہ طور پر اس کی جائداد وغیرہ تقسیم کرکے اس کو حوالہ کردے۔ اور اگر وہ انتظام نہ کرسکے، تو یہ شخص وکالتاً اس کی جانب سے انتظام کرے، یا اس کی خوشی سے مناسب طور سے ٹھیکہ پر لے لے اور ٹھیکہ کی رقم اس کو ادا کرتا رہے۔

(اصلاح الرسوم ص:۱۶۲)

میراث کے حصہ سے اسی کی شادی کرنا

عام طور سے دستور ہے کہ اکثر مورثِ اعلیٰ (مثلاً باپ) کے مرنے کے بعد چچا یا بھائی وغیرہ کسی لڑکے یا لڑکی کا نکاح اس کے حصہ سے جو اس کو میراث سے ملا ہے کردیتے ہیں، اور فضول اخراجات میں اس کو برباد کردیتے ہیں اور اپنے ذہن میں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے تو اس کی چیز اس کو لگادی، کون سا گناہ کیا۔

اس کی تو ایسی مثال ہوئی کہ کسی مسخرہ میزبان نے دعوت کرکے مہمانوں کی جوتیاں بیچ کر ان کو مٹھائی کھلادی تھی اور کہا تھا کہ یہ آپ ہی کی جوتیوں کا

صدقہ ہے۔ بلکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ کچھ قرضہ بھی ہو جاتا ہے تو وہ اس لڑکے کے ذمہ رکھا جاتا ہے، اور اسی سے ادا کرایا جاتا ہے۔ یہ کس قدر صریح ظلم ہے۔

پس اول تو فضول رسمیں خود نا جائز ہیں، اور جو مصارف مباح اور جائز بھی ہوں تب بھی اس کے حصہ سے اس کی صریح رضامندی کے بغیر جب کہ وہ بالغ بھی ہوں خرچ کرنا حرام ہے، اور اگر وہ نابالغ ہے تو صریح اجازت بھی شرعاً معتبر نہیں۔ یا ویسے ہی عرف ولحاظ کی وجہ سے اجازت دے دی یہ سب شرعاً غیر معتبر ہے۔ (اصلاح الرسوم ص:۱۶)

بعض لوگ اپنے جی کو سمجھا لیتے ہیں کہ شادی کے موقع پر پھوپھی کو بہن کو بھات وغیرہ دیا ہے جوڑے دیئے ہیں اور ہمیشہ دیا کرتے ہیں گویا اس کا میراث کا حصہ ادا کر دیا جاتا ہے، اس کے جواب میں وہی مسخرہ میزبان کی حکایت کافی ہے۔ (اصلاح الرسوم ص:۱۶۳)

ترکہ کو تقسیم کئے بغیر صدقہ خیرات کرنا

عام طور پر رسم ہے کہ جب کوئی مرجاتا ہے تو اس کے ورثاء میں سے جو لوگ موقع پر موجود ہوتے ہیں اس کے کپڑے نکال نکال کر غریبوں محتاجوں کو مدارس میں مساجد میں تقسیم کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اس کا خیال نہیں کرتے کہ بعض ورثاء جو حاضر نہیں ہیں، اس میں ان کا بھی حصہ ہے۔ ممکن ہے کہ وہ اس طرح تقسیم کرنے کو پسند نہ کریں، یا ان کی مرضی اور کسی جگہ دینے کی ہو، اسی طرح بعض ورثا نابالغ ہوتے ہیں اور ان کے حصہ میں بھی تصرف کرنا جائز نہیں بلکہ اگر وہ اجازت بھی دے دیں تب بھی عقد تبرّع اور ہبہ میں (یعنی اپنے مال کے ذریعہ کوئی احسان کرنے مثلاً صدقہ کرنے، کسی کو ہدیہ دینے میں) ان کی اجازت شرعاً معتبر نہیں۔

اسی طرح کفن کے علاوہ اوپر کی چادر اور جائے نماز سب کفن سے خارج ہے اور عام رواج یہی ہے کہ میت کے مشترکہ ترکہ سے بنایا جاتا ہے، سو ان چیزوں میں بھی غصب اور ظلم کا گناہ ہوتا ہے کیونکہ غیر کے حق میں تصرف کرنا پایا جاتا ہے، اس لیے احتیاط کرنا ضروری ہے۔ پس اگر میت نے صراحۃً وصیت کی ہو کہ میرے کپڑے مسکینوں یا صلحاء کو دے دیئے جائیں تو یہ وصیت ثلث ترکہ (یعنی تہائی مال) میں جاری ہوگی، یعنی جس قدر کپڑوں کے لیے وہ وصیت کر گیا ہے اگر کل ترکہ کے ثلث (تہائی) سے قیمت میں زائد نہ ہو تو بلا کسی وارث کے دریافت کئے ہوئے بھی تقسیم کردیئے جائیں۔ ورنہ (شرعی حصہ کے موافق ہر وارث کو) پہلے تقسیم کرنا چاہئے۔ جب ہر شخص اپنے حصہ پر قابض ہو جائے پھر ہر ایک کو اپنی چیز کا اختیار ہے جس کو چاہے دے یا نہ دے، اور نابالغوں کا حصہ اگر ان کے کام آسکتا ہو تو رکھا جائے، ورنہ فروخت کردیا جائے، اور وہ رقم ان کے کاموں میں لگادی جائے، البتہ کسی جگہ وارث بالغ ہوں اور وہ سب اجازت دے دیں تب بلا تقسیم بھی صرف کردینا جائز ہے، اور اگر لینے والے کو حال معلوم نہ ہو تو واجب ہے کہ خوب تحقیق کرلیا کرے، اہل مدارس و مساجد کو اس کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے۔ ان کی احتیاط سے عوام بھی متنبہ ہو جائیں گے۔ (اصلاح الرسوم ص:۱۶۰)

اہل علم اور اہل مدراس کی کوتاہی

زیادہ افسوس یہ ہے کہ اہل علم بھی اس کی پرواہ نہیں کرتے، مدارس تک میں اس کی احتیاط نہیں۔ مدارس میں (کسی انتقال کے بعد اس کے ترکہ سے) قیمتی قیمتی سامان اس قسم کے آتے ہیں مجھ کو یاد نہیں کہ کوئی خط کسی مدرسہ کی طرف سے اس مضمون کا گیا ہو کہ سامان جو بھیجا ہے سب ورثاء کی اجازت سے بھیجا

ہے، یا نہیں؟ یا میت کا کوئی بچہ اگر نابالغ ہے تو اس کا حصہ نکالا ہے یا نہیں؟ بس یہ حال ہے کہ مال آیا اور رکھ لیا، سو جب خواص کی یہ حالت ہے تو عوام الناس کو کیا کہا جائے، عوام الناس سے کہو بھی تو کہتے ہیں کہ جب اہل علم ایسا کرتے ہیں تو بھلا ہم کس شمار میں ہیں۔ اور اہل مدارس دل کو یوں سمجھا لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے دینے میں کون انکار کرتا ہے، اس لیے سب ورثاء کی طرف سے اجازت ہی ہے۔ اور اگر کوئی نابالغ بھی ہے تو وہ پھر بڑے ہو کر معاف کر دے گا، (حالانکہ یہ تاویل غلط ہے)۔

اور اکثر لوگوں کی یہ حالت ہے کہ میت کی فاتحہ کھانا وغیرہ مشترک مال سے کرتے ہیں جس کے اندر نابالغ بچوں کا بھی حصہ ہوتا ہے اور یہ خبر نہیں کہ جو شخص مغصوب مال کو (جو بچہ کی ملک ہے) کھائے گا وہ مغضوب ہوگا (یعنی اللہ پاک اس سے سخت ناراض ہوگا) جی کو یوں سمجھا لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیتے ہیں پھر اس میں ہم پر الزام کیا ہے۔

بعض لوگ یہ کرتے ہیں کہ کوئی شخص مر گیا بس سارا مال بیوہ کو دے دیا، اب وہ مالک الملک ہے، یتیم بچوں کا مال خوب لٹا رہی ہے، کہیں شادی میں کہیں نیوتہ میں۔ (التبلیغ احکام المال ۸۸/۱۵)

شوہر سے چھپا کر جوڑی ہوئی رقم میں وارثوں کا بھی حق ہے

بعض عورتیں مردوں سے چھپا کر (چپکے چپکے) روپئے جوڑا کرتی ہیں اس خیال سے کہ شاید مرد پہلے مر جائے تو یہ رقم بعد میں میرے کام آئے گی، اب اگر مثلاً اس کو چالیس روپئے مہینہ میں دیئے گئے تو اس میں سے بیس خرچ کرتی ہیں اور بیس کو اٹھا کر جمع کر لیتی ہیں۔ پھر اگر اتفاق سے مرد پہلے مر جائے تو یہ جمع رقم خالص انہیں کے پاس رہتی ہے اس کی کسی کو خبر نہیں کرتیں۔

یاد رکھو! یہ ناجائز ہے، اس رقم میں ورثاء کا بھی حق ہے اگر کچھ جمع کرنا ہو تو مرد کو اس کی اطلاع کر دو، اور اس سے یہ رقم جمع شدہ اپنے واسطے مرض موت سے پہلے حالت صحت میں ہبہ کرالو، (یعنی اس کو راضی کر کے اپنی ملک میں کرالو) اس طرح کرنے سے یہ رقم تمہاری ملک ہو جائے گی، ورنہ اس میں سب وارثوں کا حق ہے اور تنہا عورت کو اس کا مالک بننا حرام ہے۔

(اسباب الغفلۃ ملحقہ دین ودنیا ص:۴۹۱)

جس میت کا کوئی وارث نہ ہوں اس کا مال کہاں خرچ کیا جائے

سوال ۴۳۰: زید مر گیا اور اس کے ذمہ خالد کا کچھ قرض تھا اور زید کے مرنے سے پہلے خالد مر چکا تھا کچھ مدت کے بعد زید کے ورثاء نے چاہا کہ زید پر جو قرض تھا اس کو اس کے مال سے ادا کر دیں، لیکن جس وقت ادا کرنا چاہا تو خالد کا کوئی وارث نہیں، اب سوال یہ ہے کہ وہ قرض کا روپیہ کس مصرف میں صرف کیا جائے، کہ زید سے اس کا مواخذہ نہ ہو۔

الجواب: پہلے تو دور اور قریب کے رشتہ داروں کی تحقیق ضروری ہے اور اگر کوئی وارث موجود نہ ہو تو یہ روپیہ ایسے کاموں میں خرچ کرنا چاہئے۔

مساجد کی مرمت وخدمت، تیل بتی، لوٹا بدھنا، ڈول رسی، مؤذن وامام کی تنخواہ، مدارس اسلامیہ میں علماء کی تنخواہ، طلباء کی اعانت، خوراک پوشاک، اور جو لوگ بلا تنخواہ اللہ کے لیے علم دین پڑھا رہے ہیں۔

(امداد الفتاویٰ ص:۳۴۴)

باب (۴)

نفلی صدقات اور صدقۂ جاریہ

نفلی صدقات بھی کبھی کبھی کرنا چاہئے جس سے مخلوق کو نفع پہنچتا ہے جیسے مہمانوں کی خدمت، استادوں اور پیروں کی خدمت، دوستوں کو ہدیہ دینا، روزہ داروں کے لیے افطاری لے آنا، رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا (ان کو بھی کوئی چیز ہدیہ میں دے دینا) بعض صورتوں میں تو رشتہ داروں کی خدمت کرنا اور ان پر مال خرچ کرنا واجب ہے (جس کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے) خصوصاً جو صدقات جاریہ ہیں (ان میں ضرور حصہ لینا چاہئے) مثلاً مسجدوں کی تعمیر میں حصہ لینا، یا لوٹا، بوریا، فرش سے دینی مدارس کی اعانت کرنا، کنواں بنادینا، پل بنادینا، راستہ میں مفید درخت لگانا، قرآن مجید یا دینی کتابیں وقف کرنا اور اس جیسی چیزیں جن کا ثواب مرنے کے بعد بھی لکھا جاتا ہے۔

(اصلاح انقلاب ص:۲۲۳)

حضرات! آپ سے یہ مال چھوٹنے والا ہے، آپ مرجائیں تو (آپ کا یہ مال) دوسروں کے کام آئے گا۔ حق تعالیٰ تمہارے نفع کی تدبیر بتلا رہے ہیں کہ موت کے بعد یہ تمہارا مال بھی تمہارے ہی پاس رہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے خطاب کرکے فرمایا کہ وہ کون شخص ہے جس کو وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ پیارا ہو؟ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایسا تو ہم میں سے کوئی بھی نہ ہوگا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

فرمایا کہ جو شخص مال کو جمع کرتا ہے اور اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتا، یہاں تک کہ وہ مال اس سے چھوٹ جاتا ہے اور اس کے وارث کو ملتا ہے، اس شخص کو وارث کا مال اپنے مال سے زیادہ پیارا ہے، اگر اس کو اپنا مال پیارا ہوتا تو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا تاکہ موت کے بعد اس کا ثواب اس کو ملتا۔ (مواعظ تھانویؒ)

صدقۂ جاریہ

صدقۂ جاریہ وہ چیز ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے اور ذرہ ذرہ نیکی کو ترستا ہے اور سوچتا ہے کہ کاش اس وقت کوئی ایسی صورت ہو کہ کوئی شخص ایک مرتبہ سبحان اللہ ہی کہہ کر بخش دے بڑے بڑے اولیاء اللہ بھی اس کی حاجت ظاہر کرتے ہیں، یہ صدقہ جاریہ اس وقت کام دے گا، نیز جس وقت قیامت کے روز اعمال پیش کئے جائیں گے اور وہ شخص دیکھے گا کہ میرے پاس بہت نیکیاں نہیں اس وقت جب ورق الٹا جائے گا تو دیکھے گا کسی جگہ بخاری شریف کا ثواب لکھا ہوا ہے، کہیں قرآن شریف پڑھنے کا ثواب لکھا ہوا ہے، اگر آج سے ہزار سال بعد قیامت آئے اس وقت تک جتنی مرتبہ بخاری کا ختم ہوگا اور جتنی مرتبہ مسلم شریف پڑھادی جائے گی برابر اس کی روح کو ثواب ملتا رہے گا، اور قیامت کے روز انتہائی پریشانی کے وقت ان شاء اللہ کہا جائے گا کہ تم نے جو طلبہ کی مدد کی تھی، آج اس کی بدولت تم کو ثواب کی پوٹری کی پوٹری مل رہی ہے۔ اس وقت معلوم ہوگا کہ ایک روپیہ دو روپیہ دینے کا کتنا بڑا نفع حاصل ہوا خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اتنی بڑی دولت مفت ہاتھ آتی ہے۔

(تجارت آخرت ص:۱۷)

صدقات واجبہ کی دو قسمیں

واجبات دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ جو فی نفسہ (یعنی اپنی ذات

میں) واجب ہیں، عارضی حالات اور خاص موقع کا اس میں دخل نہیں جیسے زکوٰۃ، صدقہ فطرۃ وغیرہ خواہ کوئی محتاج اور مستحق پیش نظر ہو یا نہ ہو، اپنے مال سے خاص مقدار میں زکوٰۃ صدقہ نکالنا ضروری ہے، پھر مستحق کو تلاش کر کے اس تک پہنچانا ضروری ہے ان کو واجبات موظّفہ کہتے ہیں۔

دوسرے وہ واجبات کہ اگر کوئی مستحق معلوم نہ ہو تو اسکا تلاش کرنا ضروری نہیں اس درجہ میں تو وہ نفل ہے، لیکن اگر مستحق کوئی سامنے آجائے اور اس کی محتاجگی اضطرار کی حد تک ہو (یعنی بالکل مجبوری کی حالت ہو) یا کسی دینی کام میں خرچ کی فوری ضرورت پیش آجائے اور اس کو پورا کرنا ضروری ہو تو اس وقت اس میں خرچ کرنا واجب ہوگا، کہیں علی الکفایہ (یعنی سب لوگوں پر مجموعی طور پر کہ اگر کوئی ایک اس ضرورت کو پورا کردے تو سب بری ہو جائیں گے ورنہ سب گہنگار ہوں گے) اور کہیں علی العین (یعنی ہر ہر فرد پر اس کی ضرورت کو پورا کرنا ضروری ہوگا)۔

مثلاً کوئی مسافر محلّہ کی مسجد میں اترے اور سب محلّہ والے اپنے گھروں میں کھائیں پئیں اور اس کو نہ پوچھیں تو سب گہنگار ہوں گے، اس وقت اس کی مدد کرنا (یعنی قیام وطعام کا انتظام کرنا) سب محلّہ والوں پر واجب ہے اور اس کی مدد نہ کرنے کی صورت میں جس کو خبر پہنچے (یعنی اس کے حال کی اطلاع ہو) ان سب پر اس کی مدد کرنا واجب علی الکفایہ ہے۔

اور اگر کوئی کھانا لے کر بیٹھا اور کھانا اس کی ضرورت زائد ہے اور ایسے میں کوئی بھوکا آگیا جس کی جان بھوک سے نکل رہی ہے (یعنی بھوک سے بے تاب ہے) اور اس نے آکر اس شخص سے سوال کیا تو حضرت استاذ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے کہ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس شخص پر اس سوال

کرنے والے کو بقدر ضرورت کھانا دینا واجب نہیں اور یہ واجب ہونا اس وقت علی العین ہوگا۔ (یعنی خاص طور سے اس شخص پر معین طور سے ہوگا اگر نہ کرے گا تو گنہگار ہوگا)۔

پس خلاصہ یہ ہوا کہ صدقہ نافلہ کی بھی بعض صورتیں واجب ہیں، اور بعض نفلی صدقات جو ہر حال میں نفل ہیں گو ایسے بہت کم نکلیں گے لیکن جتنے بھی ہوں وہ اگرچہ واجب کی فہرست میں داخل نہ ہوں مگر نفل کی فہرست میں تو ہیں اور ہم کو دوسری فہرست بھی ملی ہے پس دونوں فہرستوں پر عمل کرنا چاہئے۔

(اصلاح انقلاب ۱/۲۰۷)

مسئلہ: بعض نفل صدقہ بعض خاص موقعوں پر واجب ہو جاتے ہیں، جیسے کوئی بھوکا آجائے اور ہمارے پاس کھانا زیادہ موجود ہو تو اس کی مدد کرنا واجب ہے یا کہیں دینی علوم کی اشاعت کی ضرورت ہو، وہاں مدرسہ قائم کیا جائے گا (جس میں خرچ کی ضرورت ہو) تو سب پر واجب ہوگا کہ چندہ دے کر مدد کریں۔ (اصلاح انقلاب ص:۲۱۱)

صدقہ وخیرات سے مال کم نہیں ہوتا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صدقہ خیرات دینا مال کو کم نہیں ہونے دیتا (اور اس کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں، خواہ آمدنی بڑھ جائے، یا برکت بڑھ جائے، یا ثواب بڑھتا رہے)۔ (حیوۃ المسلمین ص:۲۳۱)

صاحبو! صدقہ خیرات سے مال کم نہیں ہوتا، اس کی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کنواں کہ اگر اس میں سے پانی نکلتا رہے بھرائی ہوتی رہے تو پانی کی آمد ہوتی رہتی ہے، اور اگر بھرائی نہ ہو تو کچھ دنوں کے بعد سوت (چشمہ) بند ہو جاتا

ہے اور کنواں سوکھ جاتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے **ما نقص المال من صدقة قط** یعنی صدقہ سے مال کبھی کم نہیں ہوتا۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ دس روپیہ میں سے اگر دو روپیہ دے دو تو وہ آٹھ نہ رہیں گے دس ہی رہیں گے یا اسی وقت بیس ہو جائیں گے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ مال چوری سے اور دوسری آفتوں سے محفوظ ہو جاتا ہے، یہ کیا تھوڑی بات ہے؟ اور اگر کچھ بھی نہ ہوتا تو مسلمان کے لیے یہ کیا کم ہے کہ صدقہ سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے اس کو صدقہ خیرات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی طلب کرنا چاہئے، دنیاوی حاکموں کے لیے لوگ کتنا خرچ کرتے ہیں، پھر خدا کے لیے خرچ کرنا کیوں مشکل ہے۔

(وعظ العشر ملحقہ حقوق وفرائض ص:۵۸۲)

زکوٰۃ ادا کرنے سے مال کی کمی کا شبہ اور اس کا جواب

اکثر مال دار لوگ زکوٰۃ دینے میں اس وجہ سے کوتاہی کرتے ہیں کہ وہ ڈرتے ہیں کہ زکوٰۃ دینے سے روپیہ کم ہو جائے گا۔

سو اول تو اس کا تجربہ ہو چکا ہے کہ زکوۃ وصدقہ دینے سے مال کبھی کم نہیں ہوتا، اس وقت اگر کسی قدر نکل جاتا ہے تو کسی موقع پر اس سے زیادہ اس میں آجاتا ہے، حدیث شریف میں بھی یہ مضمون موجود ہے۔

دوسرے اگر بالفرض کم ہی ہو گیا تو کیا ہے؟ آخر اپنی نفسانی لذتوں میں ہزاروں روپیہ خرچ کر ڈالتے ہیں وہ بھی تو کم ہوتا ہے، سرکاری ٹیکس اور محصول میں بھی تو بہت کچھ دینا پڑتا ہے، اور اگر نہ دو تو باغی اور مجرم قرار دیئے جاؤ، آخر اس میں بھی تو گھٹتا ہے پھر اس کو بھی خدائی ٹیکس سمجھو۔

تیسرے یہ کہ دنیا میں اگر چہ کم ہوتا ہوا نظر آتا ہے مگر وہاں (یعنی آخرت میں) جمع ہوتا ہے، آخر ڈاکخانہ میں بینک میں روپیہ جمع کرتے ہو، تمہارے قبضہ سے تو نکل ہی جاتا ہے مگر اطمینان ہوتا ہے کہ معتبر جگہ جمع ہے نفع بڑھتا رہتا ہے، اسی طرح ایمان والے کو خداوند جل شانہ کے وعدوں پر اعتماد کر کے سمجھنا چاہئے کہ وہاں جمع ہو رہا ہے، اور قیامت کے روز اصل مال کے ساتھ ایسے موقع پر ملے گا جس وقت کہ سخت ضرورت ہوگی۔

اس کے علاوہ مال کی حفاظت کے واسطے چوکیدار نوکر رکھتے ہو اس کی تنخواہ دینی پڑتی ہے باوجودیکہ تعداد گھٹ جاتی ہے مگر اس ڈر سے کہ تھوڑی بچت کے واسطے کہیں سارا روپیہ نہ چوری ہو جائے، اس لیے رقم خرچ کرنا گوارا ہوتا ہے، اسی طرح زکوٰۃ ادا کرنے کو مال کا محافظ سمجھو۔

حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے سے مال ہلاک ہو جاتا ہے (اس کی وجہ سے کبھی نہ کبھی کوئی نہ کوئی مصیبت ضرور آتی ہے)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ مخلوق کسی مال کی زکوٰۃ نہیں روکتی، مگر وہ اس مال کو ہلاک کر دیتی ہے۔ (رواہ الشافعی والبخاری)

اور ایک روایت میں ہے کہ تجھ پر زکوٰۃ واجب ہوئی اور تو نے اس کو نہ نکالا ہو سو یہ حرام اس حلال کو ہلاک کر ڈالتا ہے۔

سو اپنے مال ہی کی حفاظت کے لیے زکوٰۃ ادا کرو، پھر یہ کہ ایسا کوئی شخص نہیں ہے جس کو ضرورت مندوں کے لیے کچھ نہ کچھ خرچ نہ کرنا پڑتا ہو کاش اگر حساب کر کے خرچ کریں تو زکوٰۃ سہولت سے ادا ہو جائے۔

(فروع الایمان ص:۵۷)

اصلاح معاشرہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے افادات پر مشتمل اصلاح معاشرہ کے متعلق چند اہم کتابیں

(۱) اسلامی شادی مکمل

(شادی کرنے کا اسلامی اور آسان طریقہ)

(۲) تحفۂ زوجین

(ساس بہو اور میاں بیوی کے حقوق اور میاں بیوی کے درمیان خوشگوار زندگی گذارنے کا طریقہ)

(۳) احکام پردہ عقل ونقل کی روشنی میں

پردہ کی ضرورت اور اہمیت اور اس کے حدود وقیود

(۴) تربیت اولاد

(اولاد کی تربیت کا اسلامی طریقہ)

(۵) اصلاح خواتین

(عورتوں کے اخلاق و عادات کی اصلاح سے متعلق اہم کتاب، عورتوں سے متعلق حضرت تھانویؒ کی تجدیدی اصلاحات کا مجموعہ)

(۶) اسلامی تہذیب وآدابِ زندگی

(آدابِ سلام وآدابِ ضیافت وغیرہ)

(۷) حقوق وآداب

(مختلف رشتہ داروں اور متعلقین کے حقوق اور متفرقات)

اصلاح معیشت وتجارت

اصلاح معیشت وتجارت سے متعلق حکیم الامت حضرت مولانا
اشرف علی تھانویؒ کے افادات پر مشتمل چند اہم کتابیں

(۱) احکام المال

مال و دولت اور مکان کی اہمیت اور اس کے حاصل کرنے کے طریقے

☆☆☆

(۲) حقوق المال

مال خرچ کرنے کے طریقے اور اس کے حدود و قیود

☆☆☆

(۳) سود رشوت اور قرض کے شرعی احکام

عقل ونقل اور تجربات کی روشنی میں

☆☆☆

(۴) مالداری اور غریبی اسلام کی نظر میں

غرباء وفقراء اور تنگ درستوں کے لیے ایک تحفہ اور تسلی کا سامان

☆☆☆